وزن ہو جائے

خان رحمان نے کار پہاڑیوں کے دامن میں روک لی۔ پچھلی سیٹ پر ظہور اونگھ رہا تھا، خان رحمان نے کار سے نیچے اترتے ہوئے دروازہ زور سے بند کیا تو وہ ہڑبڑا اٹھا۔

"نیچے اترو۔۔ میں تمہیں ساتھ اس لیے نہیں لایا کہ تم اونگھتے رہو۔"

"تو پھر کس لیے ساتھ لائے ہیں، میں نے تو کہا تھا، مجھے گھر میں ہی رہنے دیں، میں آپ کا پرائیویٹ سیکرٹری نہیں ہوں نہ باڈی گارڈ ہوں، صرف اور صرف باورچی ہوں اور باورچی کا کام کھانا پکانا ہوتا ہے نہ کہ پہاڑیوں میں مارے مارے پھرنا، آخر آپ کو مجھے ساتھ لانے کی کیا ضرورت تھی؟" ظہور نے برا سا منہ بنا کر کہا، وہ بہت جھنجھلایا ہوا نظر آ رہا تھا۔

"تمہیں ساتھ نہ لاتا تو پھر کسے لاتا۔" خان رحمان مسکرائے۔

"آپ کا ارادہ کیا ہے، یہاں آنے کا مقصد کیا ہے۔"

"میرا ایک دوست ان پہاڑیوں میں شکار کھیلنے آیا تھا، وہ واپس نہیں لوٹا۔" انہوں نے کہا۔

"تو آپ اپنے دوست کو ان پہاڑیوں میں تلاش کرنے آئے ہیں؟" ظہور کے لہجے میں سوال بھی تھا اور حیرت بھی۔۔۔۔

"ہاں! کیوں، تمہارا کیا خیال ہے، مجھے اپنے دوست کو شہر میں ہی ڈھونڈنا چاہیے تھا۔" خان رحمان جھلا کر بولے۔

"نہیں! میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ اس کام کے لیے پولیس کی خدمات کیوں نہ حاصل کیں، پولیس کی پوری جماعت یہاں آ جاتی اور چٹکی بجاتے ہیں آپ کے دوست کو تلاش کر لیتی۔" ظہور بولا۔

"فضول باتیں نہ کرو، ورنہ ان پہاڑیوں پر ہی کان پکڑ وا دوں گا، میں آج کل جاسوسی کے موڈ میں ہوں۔" انہوں نے کہا۔

"جی! کیا فرمایا، جاسوسی کے موڈ میں ہیں، لیکن اس موڈ میں تو انسپکٹر جمشید اور ان کے بچے رہتے ہیں۔"

"شاید ان کی صحبت کا مجھ پر اثر ہو گیا ہے۔" خان رحمان مسکرائے۔

"لیکن آپ جاسوسی کس طرح کریں گے، آپ کو کب معلوم جاسوسی کس طرح کی جاتی ہے۔" ظہور کے لہجے میں حیرت تھی۔

"یہ کیا مشکل ہے، جب محمود، فاروق اور فرزانہ جاسوسی کے کارنامے انجام دے سکتے ہیں تو میں کیوں نہیں کر سکتا۔" انھوں نے جواب دیا۔

"ہوں، بات تو ٹھیک ہے، لیکن ان کا تو یہ روز کا کام ہے۔" ظہور نے اعتراض کیا۔

"باتیں نہ بناؤ، میرے غصے کو آواز نہ دو۔" خان رحمان نے تیز لہجے میں کہا۔

"میں اور آپ کے غصے کو آواز دوں گا، میں تو ہمیشہ آپ کے غصے کو سلانے کی کوشش کرتا ہوں۔" ظہور نے کانپتے ہوئے کہا۔

"اگر اب میری کسی بات پر اعتراض کیا تو صرف ایک گھنٹے کے لیے کان پکڑنے پڑیں گے۔"

"میرا دماغ تھوڑا ہی خراب ہے۔" ظہور بولا۔ "لیکن یہ تو بتائیے، آپ کو کس طرح معلوم ہوا کہ آپ کے دوست میاں شکار کھیلنے آئے تھے، بھلا ان پہاڑیوں میں شکار کہاں سے آگیا۔"

"یہاں پہاڑی ہرن پائے جاتے ہیں، باقی رہی یہ بات کہ مجھے کس طرح معلوم ہو گیا... تو سنو... میرے دوست کا نام نثار توقیر ہے، وہ دو دن پہلے شکار کھیلنے یہاں آیا تھا، اس سے پہلے بھی کئی بار وہ ان پہاڑیوں میں شکار کھیل چکا ہے اور کئی ہرن مار چکا ہے، لیکن ہمیشہ دوسرے ہی دن واپس آ جاتا ہے، اس مرتبہ دو دن ہو گئے، لیکن وہ واپس نہیں لوٹا، اس کی بیوی میرے پاس آئی، بہت پریشان تھی، میں نے اسے تو پولیس میں رپورٹ کرانے کے لیے بھیج دیا اور خود تمہیں لے کر یہاں چلا آیا۔" انہوں نے بتایا۔

"اور اپنے دوست کی بیوی کو بتایا تک نہیں۔"

"بتا آیا ہوں کہ میں بھی نثار کی تلاش میں جا رہا ہوں..." انہوں نے کہا۔

"بہت اچھا! تو پھر شروع کیجیے تلاش۔" ظہور نے ایسے لہجے میں کہا کہ انہیں ہنسی آ گئی۔

"آؤ... میں جانتا ہوں، ہرنوں کے جھنڈ کس طرف پائے جاتے ہیں، ایک مرتبہ میں بھی اس کے ساتھ شکار کھیلنے آیا تھا۔" انہوں نے کہا اور آگے بڑھے۔

"کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ تلاش کر آئیں اور میں یہیں ٹھہر کر آپ کا انتظار کروں؟" ظہور نے جان بچانے کے

سے کہا۔

"بکو مت!" خان رحمان نے تیز لہجے میں کہا۔

"بہت بہتر!" ظہور گڑبڑا کر بولا اور دونوں اونچے نیچے راستے پر آگے چلنے لگے۔ شرفگیوں پر انھیں چھلانگ لگا کر راستہ طے کرنا پڑ رہا تھا۔ دائیں بائیں گھاٹیاں ہی گھاٹیاں تھیں اور اگر ان کا پاؤں کسی غلط جگہ پڑ جاتا تو وہ سیکڑوں فٹ گہری کھائی میں بھی گر سکتے تھے۔ ظہور کا تو رنگ اڑا ہوا تھا۔

"آج... اگر میں زندہ سلامت واپس پہنچ گیا تو سو نفل شکرانے کے پڑھوں گا۔" اس نے تھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"موت سے ڈرتے ہو، بزدل کہیں کے، موت تو ایک دن آ کر رہے گی۔" خان رحمان نے جھلا کر کہا۔

"بے شک موت آئے گی، اس کے باوجود موت بہت خوف ناک چیز ہے، اس سے ڈر لگتا ہی ہے۔"

"ان لوگوں کے متعلق کیا خیال ہے جو وطن کے دشمنوں سے لڑنے کے لیے جاتے ہیں اور سینوں پر گولیاں کھاتے ہیں۔"

"آپ فوجیوں کی بات کر رہے ہیں، وہ بھی اس لیے کہ آپ بھی فوجی ہیں، لیکن جناب میں تو فوجی نہیں ہوں۔"

"اچھا ڈرتے رہو، میرے ساتھ آگے نہ بڑھو گے، تو

ایک ہاتھ رسید کر دوں گا اور تم کسی کھائی میں جا کر رو گے، اس طرح بھی تو موت تمہارا مقدر بنے گی۔"

"اور آپ کو میرے قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا جائے گا اور گھپا"۔ بھی انسپکٹر جمشید کریں گے۔" ظہور نے مبہم کر کہا۔

"بہت باتیں بنانے لگے ہو تم"

"فاروق صاحب سے دو تین گھنٹے باتیں کرنے کا موقع مل گیا تھا، بس اسی وقت سے یہ حالت ہو گئی ہے۔" ظہور نے مسکرا کر کہا۔

"ارے! وہ کب؟" خان رحمان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"آپ اس روز زمینوں پر گئے ہوتے تھے۔" اس نے کہا۔

"بہت خوب! تو یہ بات ہے۔"

اتنی دیر میں وہ کافی فاصلہ طے کر چکے تھے، ایک جگہ رک کر خان رحمان بولے۔

"یہی وہ جگہ ہے جہاں ستارہ شکار کھیلنے آیا کرتا ہے۔"

"لیکن یہاں تو دور دور تک کسی ہرن کا پتا نہیں۔" ظہور نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہرنوں کی گھات میں بیٹھنا پڑتا ہے، ان کا کوئی غول

یک دم ہی کسی طرف سے آتا ہے اور گزر جاتا ہے، اس دوران اگر شکاری کا نشانہ اچھا ہے تو کم از کم ایک ہرن تو شکار کر ہی سکتا ہے۔"

"اور کیا گھات میں بیٹھے دو دو دن گزر جاتے ہیں؟" ظہور نے کسی قدر حیرت زدہ لہجے میں پوچھا۔

"نہیں! ہرن عام طور پہ صبح فجر کے وقت نظر آتے ہیں، چشمے پہ پانی پینے اور گھاس وغیرہ کھانے کے لیے نکلتے ہیں، اس لیے شکاری رات کے وقت یہاں آ کر ڈیرہ جما لیتے ہیں اور صبح سویرے شکار کر کے واپس لوٹ جاتے ہیں، ستار پرسوں رات آیا تھا، اس حساب سے اسے کل ہی واپس پہنچ جانا چاہیے تھا اور وہ آج بھی نہیں پہنچا، یہی وجہ ہے کہ میں اس کی تلاش میں نکلا ہوں۔"

"پھر تو واقعی بات پریشانی کی ہے۔" ظہور کے منہ سے نکلا۔

خان رحمان نے اس کی بات شاید سنی ہی نہیں، ان کی نظریں تو ایک سمت میں جم کر رہ گئی تھیں، ظہور نے ان کی طرف چونک کر دیکھا اور پھر اس کی نظریں بھی ادھر اٹھ گئیں، جدھر وہ ٹکٹکی باندھے دیکھ رہے تھے، اسی وقت خان رحمان کی مختصر کانپتی آواز اس کے کانوں

ٹکرائی۔

"ظہور! تم... تم دیکھ رہے ہو۔"

○

محمود نے ایک طویل انگڑائی لی اور ہاتھ نیچے گرائے تو دایاں ہاتھ فاروق کے سر سے ٹکرایا جو اس کے پیچھے سے نکل کر سامنے آ رہا تھا۔

"ارے! یہ میرا ہاتھ کس چیز سے ٹکرا گیا، لگتا تو ناریل ہے" اس کے منہ سے نکلا۔

"یہ ناریلوں کا موسم نہیں۔" فاروق نے جھلا کر کہا۔

"تو کیا سروں کا موسم ہے۔" محمود چہکا۔

"فرزانہ سے پوچھو اور آئندہ انگڑائی لیتے وقت دائیں بائیں دیکھ لیا کرو اور شکر کرو کہ اس وقت تمہارے پیچھے سے میں نکل رہا تھا، ورنہ تمہارا ہاتھ امی جان یا بیگم شیرازی کے بھی لگ سکتا تھا، ابا جان کا نام اس لیے نہیں لیا، کہ وہ قد میں تم سے کافی بڑے ہیں، تمہارا ہاتھ ان کے سر تک نہیں پہنچ سکتا۔" فاروق جلدی جلدی کہتا چلا گیا۔

"شروع ہو گئی بال کی کھال اتارنا۔" فرزانہ نے برا سا منہ بنایا۔

"آج کل کھالوں کے کاروبار میں بہت فائدہ رہتا ہے کیونکہ جوتوں کے بھاؤ بہت بڑھ گئے ہیں۔" فاروق نے فوراً کہا۔
"کہیں تمہارا ارادہ جوتے کھانے کا تو نہیں۔" محمود نے کہا۔

"یہ شوق تمہی کو مبارک ہو۔" فاروق بولا "میں جوتوں کے کاروبار کی بات کر رہا تھا۔"
"ٹر ٹر بند کرو، دماغ کھا جاتے ہیں۔" محمود نے جھلا کر کہا۔

"میں نے گننا چھوڑ دیا ہے۔" فاروق نے بے نیازی سے شانے جھٹک کر کہا۔
"کیا گننا چھوڑ دیا ہے۔"
"یہ کہ یہ جملہ تم کل کتنی مرتبہ کہہ چکے ہو۔" فاروق مسکرایا۔
"خدا کا شکر ہے۔" محمود نے خوش ہو کر کہا۔
"کس بات پر خدا کا شکر ادا کیا ہے۔" فرزانہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اس کا شکر تو ہر وقت کرتے رہنا چاہیے، ویسے اس وقت اس بات پر شکر ادا کیا ہے کہ فاروق نے گننا چھوڑ دیا ہے اور اب ہم اس جملے کا استعمال آزادانہ کر سکتے ہیں"
محمود نے کہا۔

"بھئی واہ! یہ تو بہت مزے کی بات ہے۔" فرزانہ چہکی۔

"ہاں! برفی جتنی مزے دار تو ہو گی ہی۔" فاروق نے جل کر کہا۔

"مٹھائیوں میں سب سے زیادہ برفی تو مزے دار ہوتی ہے۔" محمود مسکرایا۔

"پسند اپنی اپنی... مجھے تو برفی ہی سب سے زیادہ پسند ہے۔" فاروق بولا۔

"آج اب تک ابا جان نہیں آئے۔" فرزانہ نے کلائی کی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"کوئی کام پڑ گیا ہو گا۔" محمود بولا۔

"کیوں نہ فون کر کے معلوم کر لیں، وہ ہمیشہ وقت پر آ جاتے ہیں اور جب کبھی بھی لیٹ ہوتے ہیں تو میرا دل گھبرانے لگتا ہے۔" فرزانہ نے پریشان ہو کر کہا۔

"تمہارا دل بہت کمزور ہے، خیر فون کر لو۔" محمود نے کہا۔

فرزانہ نمبر گھمانے لگی، دوسری طرف سے بیگم جمشید آ رہی تھیں، اسے فون کرتے دیکھ کر بولیں "کسے؟"

"میں بھی یہی کہنے کے لیے آئی تھی کہ دفتر فون کر کے معلوم کرو، کیا بات ہے۔"

"جی ہاں، آپ کے ساتھ ساتھ فرزانہ بھی پریشان ہو گئی ہے۔"

محمود نے مسکرا کر کہا۔
"گویا تم پریشان نہیں ہو۔" بیگم جمشید نے اسے گھورا۔
"ابا جان کوئی بچے تو ہیں نہیں۔"
"زیادہ باتیں نہ بناؤ۔" بیگم جمشید بولیں۔
اتنے میں نمبر مل گیا اور بابا فاضل کی آواز سنائی دی۔
"ہیلو، کون صاحب ہیں۔"
"بابا! یہ میں ہوں فرزانہ!"
"اوہ... کیا حال ہے بیٹی۔"
"بالکل ٹھیک بابا... کیا ابا جان ابھی تک دفتر میں موجود ہیں۔"
"ہیں تو دفتر میں ہی... لیکن آئی جی صاحب کے کمرے میں موجود ہیں، سبھی آفیسر وہاں ہیں، کسی خاص مسئلے پر میٹنگ ہو رہی ہے۔" بابا فاضل نے بتایا۔
"کیا یہ میٹنگ پہلے سے طے تھی؟" فرزانہ نے پوچھا۔
"جی نہیں! اچانک بلائی گئی ہے۔"
"اوہ! پھر تو کوئی بہت ہی اہم معاملہ معلوم ہوتا ہے۔"
"ہاں بیٹی! معلوم یہی ہوتا ہے۔" بابا فاضل نے کہا "کیونکہ آئی جی صاحب کے کمرے کے فون کا ریسیور اٹھا کر میز پر رکھ دیا گیا ہے تاکہ کوئی فون نہ کر سکے۔"

"اوہ!" فرزانہ کے منہ سے نکلا۔
ریسیور رکھ کر وہ ان کی طرف مڑی اور انہیں میٹنگ کے بارے میں بتایا۔
"تو اس میں حیرت اور پریشانی کی کون سی بات ہے... دفتروں میں تو میٹنگیں ہوتی ہی رہتی ہیں۔" محمود نے کہا۔
"ہاں! لیکن میرا دل کہہ رہا ہے کہ بات بہت خاص ہے۔" فرزانہ بولی۔
"یہ ضروری تو نہیں کہ تمہارا دل بالکل صحیح ہی کہتا ہو اور تم اس کی بات بالکل درست سمجھ لیتی ہو۔" فاروق بولا۔
"میں اپنے دل کی بات کر رہی ہوں، تمہارے دل کی نہیں۔" فرزانہ جھنجلائی۔
"تم میرے دل کی بات کر بھی کیسے سکتی ہو۔" فاروق نے بھی تیز لہجے میں کہا۔
"کیا تم دونوں کا ارادہ لڑنے کا ہے۔" محمود نے گھبرا کر کہا۔
"اگر ہم لڑے تو تمہیں چوٹ نہیں آئے گی، فکر نہ کرو۔" فرزانہ بولی۔
"پھر تو ٹھیک ہے، بڑی خوشی سے لڑ لو۔"
"یار بڑے خود غرض ہو۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"تم اڑتے اڑتے رک کیوں گئے؟ ہو جائیں دو دو ہاتھ۔"
محمود نے انہیں شہ دی۔
"تم تو یہاں اڑانے پر تلے بیٹھے ہو۔" فرزانہ نے اسے گھورا۔
"تُلا تو میں مشین پر تھا۔" محمود بولا۔
"اور وزن کچھ بھی نہیں نکلا ہو گا۔" فاروق نے جلدی سے کہا۔
"کیوں، کیا تمہارے خیال میں میں اندر سے کھوکھلا ہوں۔"
محمود جھلا اٹھا۔
"گرمی کھانے کی ضرورت نہیں، تم وزن میں مجھ سے بہت ہلکے ہو۔" فاروق بولا۔
"یہ میں نے نئی بات سنی۔ تو پھر کیوں نہ پہلے وزن کرا آئیں جا کر۔" محمود نے اٹھتے ہوئے کہا۔
"چلو میں تیار ہوں، فرزانہ کیا تم بھی چل رہی ہو؟" فاروق نے بھی اٹھتے ہوئے کہا۔
"ارے ارے، چائے ٹھنڈی ہو جائے گی۔" بیگم جمشید نے گھبرا کر کہا۔
"لیکن امی جان! چائے تو ہم ابا جان کے آنے پر بھی پی سکتے ہیں نا... اور ابھی ان کے آنے کے بارے میں

کچھ نہیں کہا جا سکتا، ہو سکتا ہے، وہ رات کے آٹھ بجے تک بھی نہ آئیں۔" محمود نے کہا۔

"اس کے باوجود میں تمہیں ان کے آنے تک کہیں جانے کی اجازت نہیں دے سکتی۔" انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"تو پھر فیصلہ کیسے ہوگا۔"

"فیصلہ، کیسا فیصلہ۔"

"وزن کا . . . ہم میں سے آخر کون زیادہ وزنی ہے۔" محمود نے کہا۔

"وزن سے کچھ نہیں ہوتا۔ اخلاق وزنی ہونے چاہئیں۔" بیگم جمشید نے کھری بات کی۔

"لیکن امی جان! اخلاق میں بھی کہیں وزن ہوتا ہے۔" فرزانہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہوتا کیوں نہیں۔ میرے کلاس فیلو اخلاق کا وزن ڈیڑھ من تو ضرور ہوگا۔" فاروق بھلا کہاں رکنے والا تھا۔

"دھت تیرے کی۔" محمود نے جھلا کر ران پر ہاتھ مارا۔

"آ گئی بے چاری ران کی شامت۔" فاروق کے منہ سے نکلا۔

"آخر ہم یہ اوٹ پٹانگ باتیں کیوں کر رہے ہیں۔" فرزانہ تنگ سے بولی۔

"اس لیے کہ اوٹ پٹانگ باتوں کے دوران بھی کوئی کام کی بات ہو جاتی ہے، جیسے کہ اب ہو چکی ہے، یعنی آدمی کے اخلاق وزنی ہونے چاہئیں، اس کے اپنے وزن کی کوئی اہمیت نہیں۔" محمود نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

عین اسی وقت کسی نے دروازہ کھٹکھٹا ڈالا، انداز سے بے قراری ٹپک رہی تھی۔

"ہائیں، یہ کون احمق ہے، جو گھنٹی کا بٹن دبانے کی بجائے دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"اسے احمق نہ کہو، ہو سکتا ہے کوئی ضرورت مند ہو، مصیبت کا مارا ہو، یا پھر پریشانی کے عالم میں اسے گھنٹی کا بٹن نظر نہ آیا ہو۔۔۔ آیا بھی ہو تو اس نے گھنٹی بجانے کی بجائے دروازہ دھڑ دھڑانے کو بہتر خیال کیا ہو، تاکہ ہم چونک اٹھیں۔۔۔ میں دروازہ کھولنے جا رہا ہوں۔" محمود نے جلدی جلدی کہا اور پھر دروازے کی طرف لپکا۔

"ہوشیار! دروازے پر کوئی خطرہ بھی ہو سکتا ہے۔" فاروق نے تقریباً چلا کر کہا۔

لیکن اتنی دیر میں محمود دروازے تک پہنچ چکا تھا اور چٹخنی گرانے کے بعد دروازے کے دونوں پٹ کھول چکا تھا۔

دوسرے ہی لمحے ان کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ وہاں خان رحمان اور ظہور بدحواسی کے عالم میں کھڑے لمبے لمبے سانس لے رہے تھے، ان کی آنکھیں چڑھی ہوئی تھیں، چہروں پہ ہوائیاں اُڑ رہی تھیں، یوں لگتا تھا جیسے وہ میلوں دور سے دوڑ کر آ رہے ہوں، لیکن ان کی کار تو گلی میں موجود تھی۔

سائے کی کہانی

آئی جی صاحب کے کمرے میں تمام آفیسر موجود تھے۔ ان سب کے چہرے فکرمند تھے، کمرے میں موت کی سی خاموشی تھی، تھوڑی دیر پہلے آئی جی صاحب کا پیغام سب کو اپنے اپنے کمرے میں ملا تھا۔ انہوں نے فوری طور پر سب کو اپنے کمرے میں بلایا تھا، ان سب کے جمع ہونے کے بعد بھی کتنی ہی دیر گزر چکی تھی، لیکن آئی جی صاحب نے ابھی منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکالا تھا، ان کا اڑا ہوا رنگ دیکھ کر وہ سب خوف زدہ ہو گئے تھے، ضرور کوئی بہت ہی اہم بات تھی، آخر انہوں نے کہنا شروع کیا۔

"شمالی پہاڑیوں کی طرف سے چند دن سے کچھ عجیب و غریب خبریں آ رہی ہیں، شروع میں ہم نے ان خبروں کی طرف کوئی توجہ نہیں دی، لیکن آج تھوڑی دیر پہلے جو خبر ملی ہے، اس نے بُری طرح چونکا دیا ہے اور اسی کے سلسلے میں آپ سب کو یہاں جمع کیا گیا ہے، تاکہ مشورہ کیا

جا سکے، ان پہاڑیوں میں پہاڑی ہرن کثرت سے پائے جاتے ہیں، حکومت لوگوں کو ان ہرنوں کے شکار کے لیے لائسنس جاری کرتی ہے، یہی وجہ ہے کہ ان پہاڑیوں پر شکاری عام طور پر دیکھے جا سکتے ہیں، متعلقہ محکمے کے بھی کچھ آدمی یہاں گشت کرتے رہتے ہیں، ان کا کام لائسنس چیک کرنا ہے، تاکہ کوئی شخص بغیر لائسنس شکار نہ کھیل سکے، یہ چند دن پہلے کی بات ہے، ایک افسر کو ایک شکاری پر شک گزرا، اس نے آگے بڑھ کر اس سے لائسنس دکھانے کے لیے کہا، جواب میں شکاری نے اچانک اس کی ٹھوڑی پر ایک زور دار مکا دے مارا، مکا اس قدر زور دار تھا کہ غریب افسر وہیں گر کر بے ہوش ہو گیا، ہوش میں آنے کے بعد اس نے رپورٹ درج کرا دی، لیکن یہ کوئی ایسا خاص واقعہ نہ تھا، یہی خیال کیا گیا کہ بغیر لائسنس آدمی جرمانے سے بچنے کے لیے افسر کو بے ہوش کر کے فرار ہو گیا، لیکن دوسرے دن جب اس افسر کو پھر وہی آدمی نظر آیا تو وہ اس کی طرف جھپٹا اور اسے پکڑ لیا، شکاری ذرا نہ گھبرایا، اس نے افسر کے دونوں ہاتھوں کو جھٹک دیا اور تیر کی طرح ایک سمت میں نکل گیا، افسر اس کے پیچھے لپکا، لیکن وہ اسے کہیں نظر نہ آیا، اس پر بھی ضد سوار ہو گئی، وہ اس طرف

چلتا چلا گیا جس طرف شکاری جاتا نظر آیا تھا۔ ایک جگہ اچانک اسے رک جانا پڑا، چشمے کے قریب شکاری موجود تھا، پہلی مرتبہ اس افسر کو ایک عجیب سا احساس ہوا، اسے یوں لگا جیسے وہ اب تک کسی زندہ سلامت آدمی کا نہیں، ایک سائے کا پیچھا کرتا رہا ہے۔"

"جی! کیا مطلب، سائے کا!!!" کمرے میں موجود افسروں کے منہ سے حیرت زدہ آوازوں میں نکلا۔

"اس ___ اس افسر کا بیان یہی ہے، چشمے کے نزدیک ایک سایہ سا کھڑا تھا اور جس کا بھی وہ سایہ تھا۔ وہ کہیں نظر نہیں آرہا تھا۔" آئی جی بولے۔

"لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے، کسی بھی انسان کا سایہ کبھی اس سے جدا نہیں ہوتا۔" ایک افسر نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

"بالکل ٹھیک کہا آپ نے، ہو سکتا ہے، شکاری کسی ایسی جگہ کھڑا ہو، جہاں سے وہ اسے نظر نہ آرہا ہو۔" ایک اور صاحب بولے۔

"بات بہت عجیب ہے، اس میں کوئی شک نہیں۔" انسپکٹر جمشید پہلی مرتبہ بولے۔

"کہیے، ذرا ہم بھی تو سنیں۔" انسپکٹر خاور رحمانی نے طنزیہ لہجے میں کہا، وہ انسپکٹر جمشید سے بہت جلتا تھا۔

پہلے آئی جی صاحب کی بات مکمل ہو جائے، اس کے بعد بتاؤں گا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ہاں! ابھی میری بات مکمل نہیں ہوئی۔ ہاں تو اس افسر کو چشمے کے قریب صرف ایک سایہ نظر آیا۔ وہ بھی پہلے یہی سمجھا، کہ شکاری کہیں چھپ گیا۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا، سائے کا رُخ دیکھ کر اندازہ لگایا کہ شکاری کس جگہ ہو سکتا ہے، ظاہر ہے، انسان اپنے سائے سے زیادہ دور نہیں ہو سکتا، اسے آس پاس ہی ہونا چاہیے تھا۔ لیکن وہاں وہ شکاری موجود نہیں تھا، اب جو اس نے سائے کو غور سے دیکھا تو اس کے نقش و نگار بالکل اس شکاری جیسے نظر آئے اور پھر اس نے ایک اور حیرت انگیز منظر دیکھا۔ سایہ ایک سمت میں چلنے لگا تھا۔"

"کیا!!!" وہ سب چلا اُٹھے۔

"ہاں! سایہ چلا جا رہا تھا اور جس کا وہ سایہ تھا، وہ کہیں بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ اچانک اس افسر کے سر پر ایک زور دار چپت لگی، اس نے سائے کو اچانک مڑتے دیکھا تھا، لیکن اسے بعد میں احساس ہوا کہ سایہ اسے مارنے کے لیے مڑا تھا، چپت اس قدر زور دار تھی کہ اس کا سر چکرا گیا، پہاڑیاں اسے گھومتی محسوس ہوئیں اور پھر وہ بے ہوش ہو گیا، ہوش میں آنے کے بعد وہ سیدھا میرے پاس آیا۔ میں نے خیال کیا کہ

ضرور اس نے کوئی خواب دیکھا ہے اور اسے کسی ماہر نفسیات سے مشورہ کرنے کے لیے کہا ۔میں نے تو یہ بات مذاق میں کی تھی ، وہ سچ مچ ایک ماہر نفسیات سے مل بیٹھا اور اس نے یہ بات تسلیم کر لی کہ اس نے خواب نہیں دیکھا تھا ،لیکن بتا وہ بھی کچھ نہ سکا ؛ یہ بھی بتاتا چلوں ، وہ افسر میرا قریبی دوست ہے اور اس کا نام نذیر ہاشمی ہے۔"

"اور اس ماہر نفسیات کا نام کیا ہے ۔" انسپکٹر جمشید نے اچانک پوچھا۔

"پروفیسر فیٹا تا ... یہ کوئی غیر ملکی ہے مگر اس کا اس واقعے سے کوئی تعلق نہیں ، تم نے اس کا نام کیوں پوچھا ؟" آئی جی صاحب بولے۔

"میں اس سے ملوں گا اور پوچھوں گا کہ اس نے یہ کس طرح کہہ دیا ، نذیر ہاشمی نے خواب نہیں دیکھا تھا۔"

"تو کیا آپ کے خیال میں نذیر ہاشمی نے خواب دیکھا تھا ؟" خاور رحمانی نے مسکرا کر پوچھا۔

"میں نے یہ نہیں کہا ۔" انسپکٹر جمشید بھی مسکرائے۔

"اچھا آگے سنیے : اس واقعے کے بعد شکاری اس طرف جانے سے خوف کھانے لگے ، کیونکہ سائے کو حرکت کرتے کچھ اور لوگوں نے بھی دیکھ لیا تھا ، لیکن ایک قسمت کا مارا آسی

دن کے بعد وہاں شکاری بھٹکتے چلا گیا۔ اسے بھی وہ سایہ نظر آیا، اس نے آکر خاور رحمانی صاحب سے ذکر کیا، خاور رحمانی میرے پاس آئے انہیں پہلے ہی یہ خبر اپنے سینے میں بٹھائے بیٹھا تھا اور صرف سوچتا رہا تھا، اب آپ لوگ بتائیں، آپ کا کیا خیال ہے، بظاہر ان واقعات کا تعلق ہمارے محکمہ سے کچھ نہیں، لیکن معاملہ شمالی پہاڑیوں کا ہے اور شمالی پہاڑیوں پر ہمارا دشمن ملک قبضہ کرلے کے خواب ایک زمانے سے دیکھ رہا ہے، اس سے پہلے بھی وہ کئی بار کوشش کر چکا ہے۔" یہ کہہ کر آئی جی صاحب خاموش ہو گئے۔

"جہاں تک میرا خیال ہے، یہ کوئی بھوت پریت کا چکر ہے، وہ شکاری دراصل کوئی بھوت تھا، اس کے بعد اس نے سائے کی صورت اختیار کرلی۔" ایک آفیسر نے کہا۔

"آج کل جنوں اور بھوتوں کی بات عجیب سی لگتی ہے، جب کہ انسان چاند پر جا پہنچا ہے۔" ڈی آئی جی صاحب بولے۔

"عجیب بے شک لگتی ہے، لیکن جناب کم از کم جنوں کا وجود تو قرآن پاک سے بھی ثابت ہے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"ہاں! یہ تو ہے، تو کیا تمہارے خیال میں بھی وہ کوئی بھوت تھا؟" آئی جی صاحب نے پوچھا۔

"اگر وہ بھوت نہیں تھا تو یہ اس صدی کا سب سے حیرت

انگیز واقعہ ہوگا، کیونکہ آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی انسان کا سایہ اس سے جدا ہو جائے۔" انسپکٹر جمشید نے جواب دیا۔

"غور کرنے والی بات تو یہ ہے کہ ہمیں اس سلسلے میں کیا کرنا چاہیے۔" آئی جی صاحب بولے۔

"جو آپ مناسب سمجھیں، حکم کر دیں، وہی کیا جائے گا۔" انسپکٹر حافظ بولا، یہ انسپکٹر جمشید کا گہرا دوست تھا۔

"تو پھر ٹھیک ہے، مسٹر حافظ... آپ اور انسپکٹر خاور رحمانی ان پہاڑیوں پہ جا کر تفتیش کریں گے۔"

ان کے یہ الفاظ سب نے حیرت بھرے انداز میں سنے، کیونکہ سب کا خیال تو یہی تھا کہ یہ کام بھی انسپکٹر جمشید کے ذمے ڈالا جائے گا۔"

"آپ سب لوگ میرے فیصلے کو سن کر حیران ہوئے ہیں، لیکن میں کچھ دنوں سے دبی دبی شکایات سن رہا ہوں کہ ہر مہم انسپکٹر جمشید کو سونپ دی جاتی ہے اور اس طرح وہ ملک کے ہیرو بن گئے ہیں، یہ واقعی درست نہیں، کام کرنے کے مواقع سب کو یکساں ملنے چاہئیں، جمشید، میرا خیال ہے، تم کوئی خیال نہیں کرو گے۔"

"جی نہیں، یہ تو بہت خوشی کی بات ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"بس تو پھر اس مہم پہ یہ دونوں حضرات روانہ ہوں گے، یہ اپنے اسسٹنٹوں کو بھی ساتھ لے جا سکتے ہیں، دیکھنا صرف یہ ہے کہ کہیں دشمن ملک تو کوئی چکر نہیں چلا رہا۔"

"بہت بہتر جناب! ہم بہت جلد معاملے کی تہہ تک پہنچ جائیں گے اور آپ کو رپورٹ کریں گے۔" خاور رحمانی نے خوش ہو کر کہا، وہ آج بہت فخر محسوس کر رہا تھا کہ انسپکٹر جمشید کی بجائے اسے مہم سونپی گئی ہے۔ دوسری طرف انسپکٹر حافظ کا منہ پھول گیا تھا، اسے خاور رحمانی کے ساتھ چڑ تھی، کیوں کہ وہ جانتا تھا، پوری مہم کے دوران وہ انسپکٹر جمشید کی برائیاں کرتا رہے گا، لیکن حکم ہو چکا تھا اور اب دم مارنے کی گنجائش نہیں تھی، خود انسپکٹر جمشید نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔

اسی وقت آئی جی صاحب نے سب کے لیے چائے کا آرڈر دیا۔ چپراسی تھوڑی دیر بعد چائے کی ٹرے اٹھا کر اندر داخل ہوا تو انسپکٹر جمشید نے اس سے ایک گلاس پانی مانگا۔ وہ پانی لے کر ان کے قریب آیا، انہوں نے پانی یک دم اس کے منہ پہ دے مارا اور ساتھ ہی ان کا مکا چپراسی کی کنپٹی پہ پڑا، وہ تیورا کر گرا اور بے ہوش ہو گیا۔

سب کے سب مجبور چپکے رہ گئے۔

"کیا ہوا انکل... خیر تو ہے۔" محمود نے بوکھلا کر پوچھا۔

"جمشید... کہاں ہے۔" خان رحمان کے منہ سے نکلا۔

"وہ ابھی دفتر سے نہیں نکلے، آپ اندر کیوں نہیں آتے، آخر معاملہ کیا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"اوہ! ہمیں دفتر جانا چاہیے۔" خان رحمان بولے۔

"وہاں اس وقت میٹنگ ہو رہی ہے۔" فاروق نے بتایا۔

"میٹنگ ہو رہی ہے تو کیا ہوا، یہ معاملہ میٹنگ سے بھی زیادہ ضروری ہے۔" خان رحمان بولے۔

"آپ ہمیں بھی تو بتائیں۔"

"تم بھی میرے ساتھ کار میں آ جاؤ، ہم اکٹھے ہی ان کے پاس چلتے ہیں۔" خان رحمان نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے، آپ ان تک پہنچنے سے پہلے کچھ نہیں بتائیں گے۔"

"میں نہیں جانتا، مجھے کیا بتانا ہے، اور کیا بتانا چاہیے، ظہور کیا تم انہیں کچھ بتا سکتے ہو، ہم کیا دیکھ کر آ رہے ہیں۔"

"اُف خدا، میں اس منظر کو بیان نہیں کر سکتا، اس سے تو بہتر ہے، میں کئی گھنٹے کے لیے کان پکڑ لوں۔" ظہور نے کانپ کر کہا۔

"آخر آپ ابا جان کو بھی تو بتائیں گے ہی۔" فرزانہ نے

کہا۔

"نہیں... بس میں انہیں اس جگہ لے چلوں گا، جہاں سے ہم آتے ہیں۔"

"یا خدا رحم... آپ تو حد درجے پُر اسرار بن رہے ہیں۔" محمود نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"تم لوگ میرے ساتھ چل رہے ہو یا نہیں۔"

"وہ تو چلنا ہی ہو گا، امی جان! آپ کی اجازت ہے۔" محمود بولا۔

"رحمان بھائی ساتھ لے جا رہے ہیں تو پھر اجازت کی کیا ضرورت۔" بیگم جمشید مسکرائیں۔

اور صرف دو منٹ بعد وہ ان کے ساتھ کار میں بیٹھے دفتر کا رُخ کر رہے تھے، دفتر پہنچے تو انہیں صدر دروازہ بند نظر آیا، پھاٹک پر پٹھان چوکیدار موجود تھا۔

"خان صاحب، دروازہ کھولیے۔" خان رحمان بولے۔

"دروازہ نہیں کھلے گا صاحب۔" اس نے اکڑ کر کہا۔

"خان صاحب، یہ خان رحمان ہیں اور ان کے ساتھ اتفاق سے ہم بھی ہیں۔" پچھلی سیٹ سے فاروق نے ٹانگ لگائی۔

"اوہو... آپ لوگ ہیں، لیکن یہ تو انسپکٹر صاحب کا ہی حکم ہے کہ کوئی بھی اندر داخل نہ ہونے پائے۔"

"خان صاحب! ہم جانتے ہیں اندر میٹنگ ہو رہی ہے۔"
محمود نے ذرا تیز آواز میں کہا۔
"بات میٹنگ کی نہیں، کوئی اور واقعہ بھی اندر پیش آیا ہے، ورنہ میٹنگ تو ایک گھنٹہ پہلے شروع ہوئی تھی، اور اکرام صاحب ابھی یہ نیا حکم سنا کر گئے ہیں۔" اس نے بتایا۔
"لیکن انہیں معلوم نہیں تھا کہ ہم یہاں آ جائیں گے، اچھا تم یوں کرو، کر انہیں اندر جا کر اطلاع دے دو، پھر وہ خود ہی یہاں آ جائیں گے یا ہمیں اندر بلا لیں گے۔"
"بہت بہتر صاحب۔" چوکیدار نے کہا اور اندر چلا گیا۔
تھوڑی دیر بعد وہ واپس آیا تو اس کا منہ لٹکا ہوا تھا، بڑبڑانے کے انداز میں بولا۔
"جھاڑ سننا پڑ گئی۔"
"کیا ہوا؟" محمود کے منہ سے نکلا۔
"میں نے جا کر آپ کے بارے میں بتایا تو وہ مجھ پہ الٹ پڑے، مجھے سخت سست کہا کہ میں گیٹ چھوڑ کر کیوں آیا ہوں، پھر انہوں نے حکم دیا کہ واپس گیٹ پہ پہنچ جاؤں اور کسی کو بھی اندر نہ آنے دوں۔"

"کیپ !!!" خان رحمان کے ساتھ وہ تینوں بھی چلا اُٹھے۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے، تم نے انہیں ہمارے بارے میں نہیں بتایا ہوگا۔" خان رحمان کے لہجے میں بے یقینی صاف جھلک رہی تھی۔

"بالکل بتایا تھا جناب! لیکن انہوں نے کوئی بات نہیں سنی۔"

"اوہ ... شاید اندر حالات غیر معمولی ہیں۔" خان رحمان چونکے۔

"جی ہاں! یہی بات معلوم ہوتی ہے، ہم یہیں ٹھہر کر ان کا انتظار کریں گے۔" محمود نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

انہوں نے کار ایک طرف کر لی، اور اس میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگے۔

"انکل، کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ آپ ہمیں بتا دیں، معاملہ کیا ہے۔" فرزانہ نے کہا۔

"ہاں! اب بتانا ہی ہوگا، کیونکہ جمشید تو اندر سے نہ جانے کب نکلے۔" خان رحمان بولے پھر انہوں نے اپنے دوست کے بارے میں بتایا جو شمالی پہاڑیوں پر شکار کھیلنے گیا تھا اور یہ کہ واپس نہیں پہنچا، وہ اور ظہور اس کی تلاش میں پہاڑیوں میں

گئے تھے، یہاں تک کہہ کر انھوں نے کہا:

"اور اب میں بتاتا ہوں، ہم نے وہاں کیا دیکھا، میرا دوست شاد توقیر..."

ان کے الفاظ درمیان میں ہی رہ گئے، اسی وقت محکمہ سراغرسانی کی عمارت کا دروازہ کھلا تھا، ان کی نظریں اسی طرف اٹھ گئیں۔

سائے کا قہقہہ

آئی جی کے چپراسی کے منہ پر ان کی موجودگی میں مکا دے مارنا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ ان کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا۔ ان کے کچھ کہنے سے پہلے خاور رحمانی بولا۔

'یہ آپ نے کیا کیا... آخر اس غریب سے کیا غلطی سرزد ہوئی۔'

'واقعی یہ بہت افسوس ناک بات ہے۔' ڈی آئی جی جلدی سے بولے، انہوں نے آئی جی کا بدلتا رنگ دیکھ لیا تھا، اور انہیں انسپکٹر جمشید کی فکر کھائے جا رہی تھی۔

'میں نے جو کچھ کیا ہے سوچ سمجھ کر کیا ہے اور میں آپ لوگوں کو خبردار کرتا ہوں کہ اس چائے کو ہاتھ بھی نہ لگائیے، جو یہ بنا کر لایا ہے۔' انسپکٹر جمشید سرد آواز میں بولے۔

'کیا مطلب؟' کئی حیرت زدہ آوازیں کمرے میں ابھریں۔

'میں اپنی آنکھیں ہمیشہ کھلی رکھتا ہوں اور چاروں طرف دیکھتا رہتا ہوں، میں میٹنگ میں ہونے والی باتوں کی طرف پوری

طرح دھیان دے رہا تھا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ میری نظر ادھر ادھر بھی تھی۔ میٹنگ کے دوران یہ شخص دروازے سے کان لگائے بیٹھا رہا اور اندر ہونے والی گفتگو سنتا رہا، دروازہ اگرچہ اندر سے بند کر لیا گیا تھا، لیکن اس کے باوجود ہم اتنی نیچی آواز میں باتیں نہیں کر رہے تھے کہ آواز باہر نہ جاتی۔" انسپکٹر جمشید کہتے چلے گئے۔

"آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ فیروز دین باتیں سنتا رہا ہے، جب کہ دروازہ بند تھا، کیا آپ لکڑی کے آر پار بھی دیکھ لیتے ہیں۔" انسپکٹر خاور رحمانی کا لہجہ مذاق اڑانے والا تھا، کچھ دوسرے لوگ بھی مسکرانے لگے۔

"میں لکڑی کے آر پار دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا، لیکن دروازے میں تالے کا جو سوراخ ہے، اس پار تو دیکھ سکتا ہوں، اس وقت آپ دیکھ سکتے ہیں کہ میں اس جگہ بیٹھا ہوا اس سوراخ سے باہر بخوبی دیکھ سکتا ہوں، لیکن جب میٹنگ ہو رہی تھی تو مجھے یہ سوراخ ڈھکا ہوا نظر آ رہا تھا اور یہ صرف اس لیے ڈھکا ہوا تھا کہ اس شخص نے اپنا کان سوراخ سے لگا رکھا تھا۔" انہوں نے سنسنی خیز لہجے میں کہا۔

"اوہ!" کچھ حیرت زدہ آوازیں گونجیں۔

"یہ آپ کا وہم بھی ہو سکتا ہے۔" خاور رحمانی نے منہ

بنا کر کہا۔

"اگر سوراخ سے چپراسی کا کان نہیں لگا ہوا تھا تو پھر کس کا کان لگا ہوا تھا، عمارت میں اس وقت اس ایک چپراسی کے علاوہ کوئی دوسرا چپراسی موجود نہیں۔"

"میں تو سرے سے اس بات کو ہی نہیں مانتا کہ سوراخ سے کوئی کان لگا ہوا تھا، یہ آپ کا وہم بھی ہو سکتا ہے۔" خاور رحمانی بولا۔

"بہت خوب! تو پھر پہلے آپ اس چائے سے شوق فرمائیے ابھی معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ یہ بات کس قدر یقین سے کہہ رہے ہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

خاور رحمانی کو سانپ سونگھ گیا، چائے پینے کی ہمت اس میں نہیں تھی۔ آخر آئی جی بولے۔

"جمشید! فیروز دین بیس سال پرانا ملازم ہے، میں نہیں سمجھ سکتا، یہ غدار ہے۔"

"میں بھی یہی سمجھتا ہوں، لیکن یہ شخص ضرور غدار ہے، اس میں ایک فیصد بھی شک نہیں، میں نے اس سے پانی کا گلاس اسی لیے مانگا تھا کہ میں اس کے بارے میں یقین کر لوں، یقین آ جانے کے بعد ہی میں نے اس کے منہ رسید

کیا ہے۔" انہوں نے پُرسکون آواز میں کہا۔
"نہیں یقین کس طرح آیا؟" ڈی آئی جی صاحب جلدی سے بولے۔
"اس کی حرکات دیکھ کر... یہ بظاہر میں تو یہاں ہونے والی باتوں سے لاتعلق تھا، لیکن ایک ایک بات کو نوٹ کر رہا تھا، ابھی جب یہ چائے بنا رہا تھا تو میں نے اس کے ہاتھوں میں کپکپاہٹ دیکھی تھی، آخر بیس سال پرانے ملازم کے ہاتھوں میں کپکپی کا کیا کام، بس یہی دیکھ کر اس سے پانی کا گلاس مانگا، تاکہ یہ نزدیک آ جائے اور میرا مکا نشانے پہ لگے۔"
اسی وقت انہوں نے دیکھا، فیروز دین ہوش میں آ رہا تھا۔ آئی جی اس پہ جھک گئے اور بولے۔
"کیوں فیروز دین! کیا تم نے چائے میں زہر ملایا ہے۔"
"جی... جی نہیں، یہ غلط ہے۔" اس نے فوراً کہا۔
"اگر چائے میں زہر نہیں ہے تو پھر سب سے پہلے تم چائے پی کر دکھاؤ۔" انسپکٹر جمشید بولے۔
فیروز دین اٹھ کھڑا ہوا، اس نے ایک قہر آلود نظر انسپکٹر جمشید پہ ڈالی اور چائے کا ایک کپ اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا، اس نے کپ میں سے کئی گھونٹ پیے اور پھر ایک

دوسرے کپ میں سے بھی چند گھونٹ بھرے، اسی طرح اس نے تین چار پیالیوں میں سے چائے پی کر دکھائی اور اس کے باوجود وہ اپنے پیروں پر کھڑا رہا۔

"اب کہیے . . . کیا خیال ہے، چائے میں تو زہر ثابت ہوا نہیں، اور اس کا مطلب ہے آپ کو ضرور وہم ہو گیا تھا، لہذا آپ نے بے قصور ہی اس بے چارے کو مکا دے مارا، میرا خیال ہے، آپ کو اس غریب سے معافی مانگ لینی چاہیے۔"

خاور رحمانی طنز بھرے لہجے میں کہتا چلا گیا۔

"میں معافی ضرور مانگ لوں گا، اگر یہ اپنے چہرے سے پلاسٹک کا میک اپ اتار دے۔"

انسپکٹر جمشید نے ڈرامائی انداز میں کہا اور وہ سب سکتے میں آ گئے، دوسرا لمحہ چونکا دینے والا تھا، انسپکٹر جمشید نے گرج دار آواز میں کہا تھا۔

"خبردار! تم پستول نکالنے کی کوشش نہیں کرو گے۔"

الفاظ کے ساتھ ہی ان کے ہاتھ میں پستول نظر آیا۔

"اکرام! تم پٹھان چوکیدار سے کہہ دو، کوئی شخص بھی اندر داخل نہ ہونے پائے۔" انہوں نے دوسرا جملہ اکرام سے کہا۔

اکرام اٹھا اور باہر نکل گیا، باہر نکلنے سے پہلے اس نے ایک نظر خاور رحمانی پر ضرور ڈالی تھی، اس کا چہرہ سیاہ

پڑ گیا تھا، اکرام نے دل ہی دل میں بے پناہ خوشی محسوس
کی، وہ واپس آیا تو انسپکٹر جمشید نے اپنے کمرے سے امونیا
گیس اور کچھ دوسری چیزوں کے لیے کہا، جلد ہی ان کی
طلب کردہ چیزیں آگئیں اور انہوں نے صرف دو منٹ بعد ثابت
کر دیا کہ چپراسی فیروز دین کی جگہ ایک بھدی سی شکل کا آدمی
ان کے سامنے موجود تھا۔

"اب تم اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دو۔" انسپکٹر جمشید نے اسے
حکم دیا۔

اس نے ہاتھ اوپر نہ اٹھائے، نہ ان کی طرف آنکھ اٹھا
کر دیکھا، بس کھڑا سامنے تکتا رہا، جیسے دیوار پہ اسے کوئی خاص
چیز نظر آ رہی ہو۔

"میں نے کہا ہے، ہاتھ اوپر اٹھاؤ، اگر تم نے تعمیل نہ
کی تو میں تمہیں گولی مار دوں گا۔" انسپکٹر جمشید گرج دار آواز
میں بولے۔

اس پر بھی اس کے کان پہ جوں نہ رینگی، یوں لگتا تھا،
جیسے وہ بہرہ ہو گیا ہو، انسپکٹر جمشید نے چونک کر اسے
دیکھا اور پھر ان سب کی آنکھیں حیرت کے عالم میں پھٹی
کی پھٹی رہ گئیں، انہوں نے وہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ
لیا تھا جس کا ذکر تھوڑی دیر پہلے آئی جی صاحب کر چکے

تھے، ان کی نظروں کے سامنے سے نقلی چپڑاسی غائب ہو گیا
تھا، لیکن اس کا سایہ جوں کا توں موجود تھا، پھر سائے میں
حرکت پیدا ہوئی اور وہ دروازے کی طرف بڑھنے لگا، ان
سب کا حال عجیب تھا، انہیں اپنے سانس سینوں میں اٹکتے
محسوس ہو رہے تھے، کئی بے ہوش ہونے کے قریب تھے،
اگرچہ وہ یہ حالات سن چکے تھے، اس کے باوجود انہیں
یوں معلوم ہوا جیسے وہ کوئی بہت خوفناک خواب دیکھ
رہے ہوں۔

"خبردار! حرکت نہ کرنا... ورنہ میں گولی چلا دوں گا۔"
انسپکٹر جمشید نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے سائے سے
کہا، لیکن سائے نے تو جیسے سنا ہی نہیں، اب انسپکٹر جمشید
کی برداشت جواب دے گئی، انہوں نے سائے پر فائر جھونک
مارا، اس کے ساتھ ہی ایک قہقہہ کمرے میں گونج اٹھا، سایہ
زور زور سے قہقہے لگا رہا تھا اور انہیں یوں لگ رہا تھا،
جیسے وہ اس دنیا سے کسی دوسری دنیا میں جا پہنچے ہوں،
اچانک سائے نے دروازہ کھول لیا، انہوں نے اپنی آنکھوں
سے اس کا ہاتھ دروازے کے ہینڈل پر جمتے دیکھا....
دروازہ کھلا اور وہ باہر نکل گیا، انسپکٹر جمشید گویا خواب

کے عالم میں بولے۔
"میں اس کا تعاقب کروں گا۔"

○

پھاٹک کے کھلتے ہی انھوں نے ایک بھاتے کو باہر نکلتے دیکھا، محمود، فاروق اور فرزانہ دھک سے رہ گئے، انھوں نے ایسا نظارہ اپنی زندگی میں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا، پٹھان چوکیدار کے ہاتھوں سے بندوق چھوٹ کر گر پڑی، وہ تھر تھر کانپنے لگا، خان رحمان اور ظہور کا تو عالم ہی عجیب تھا، وہ تو جیسے پتھر کے بتوں میں تبدیل ہو گئے تھے اور پھر انھوں نے ایک اور حیرت ناک منظر دیکھا، سایہ باہر کھڑی ہوئی گاڑیوں میں سے ایک جیپ میں بیٹھ گیا، دوسرے ہی لمحے انھوں نے جیپ کو سٹارٹ ہوتے دیکھا۔

ابھی وہ حیرت کے سمندر میں غرق ہی تھے کہ دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی، پھر انھوں نے اندر سے انسپکٹر جمشید کو باہر نکلتے دیکھا، ان کے ہاتھ میں پستول تھا، وہ اپنی موٹر سائیکل کی طرف دوڑ رہے تھے۔

"ابا جان!" فرزانہ کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

اس کی آواز جیسے انسپکٹر جمشید نے سنی ہی نہیں، دیوانہ وار

موٹر سائیکل تک پہنچے، اس پہ بیٹھے اور اس جیپ کے پیچھے روانہ ہو گئے جس میں سایہ بیٹھ کر گیا تھا۔

"یا اللہ! یہ کیا چکر ہے۔" محمود کے منہ سے بدحواسی کے عالم میں نکلا۔

دوڑتے قدموں کی آواز نے انہیں چونکا دیا، انہوں نے دیکھا، دفتر میں سے دوسرے آفیسر باہر نکل رہے تھے، سب سے آگے آئی جی تھے۔

"کیا وہ چلے گئے۔" ان کے منہ سے نکلا۔

"کک... کون؟" چپڑاسی ہکلایا۔

"انسپکٹر جمشید!" ان کے منہ سے نکلا۔

"جج... جی ہاں... وہ... اس کے پیچھے چلے گئے۔" اس نے کہا۔

"اُف خدا۔ اب کیا ہوگا۔" آئی جی صاحب بولے، ساتھ ہی ان کی نظر ان چاروں پہ پڑی، وہ چلّا اٹھے۔

"ارے! تم لوگ یہاں ہو، ان کے پیچھے دوڑو، وہ موت کے منہ میں جا رہے ہیں۔"

آئی جی صاحب کے الفاظ انہیں بدحواس کرنے کے لیے کافی تھے، بوکھلاہٹ کے عالم میں خان رحمان نے کار اسٹارٹ کی اور اس سڑک پہ ڈال دی جس پہ موٹر سائیکل گئی تھی۔

"اُف خدا... آج یہ ہم نے کیا دیکھا ہے۔" فاروق کی آواز میں تھرتھری تھی۔

"شاید ہم کوئی خواب دیکھ رہے ہیں۔" محمود بولا۔

"یہ خواب کس طرح ہو سکتا ہے، ہم سب مل کر ایک خواب کس طرح دیکھ سکتے ہیں۔" فرزانہ بولی۔

"یہ تو ہم خواب کے دوران کہہ رہے ہیں، آنکھ کھلنے پر معلوم ہوگا کہ ہم میں سے خواب کون دیکھ رہا تھا۔" فاروق بولا۔

"ایسے میں تو مذاق نہ کرو۔" خان رحمان نے منہ بنایا۔

"نہیں تو انکل، میں نے مذاق تو نہیں کیا۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"انکل، وہ بات تو رہ ہی گئی جو آپ ہم لوگوں کو بتانے والے تھے اور ہم دوسرے ہی چکر میں اُلجھ گئے، خدا کے لیے ہماری ایک اُلجھن تو رفع کر دیں، آپ شمالی پہاڑیوں کا ذکر کر رہے تھے، آپ کے دوست نثار توقیر وہاں شکار کھیلنے گئے تھے، اس سے آگے آپ نے کچھ نہیں بتایا تھا۔" محمود نے یاد کرایا۔

"ہاں، میں اس کی تلاش میں نکلا تھا اور شمالی پہاڑیوں میں گیا تھا، پھر میں نے اور ظہور نے اسے دیکھ لیا۔" خان رحمان نے بتایا۔

"اسے دیکھ لیا، تو پھر ۔۔ محمود کے بچے میں حیرت تھی ۔
اس دوران ان کی کار برق رفتاری سے فاصلہ طے کر رہی تھی، لیکن ابھی تک وہ انسپکٹر جمشید کی موٹر سائیکل تک نہیں پہنچ سکے تھے، اچانک خان رحمان نے کہا ۔
"ارے! ان ۔ ۔ ۔ ان کا رُخ بھی تو شمالی پہاڑیوں ہی کی طرف ہے ۔"
"اوہ!" تینوں کے منہ سے ایک ساتھ نکلا، پھر فرزانہ نے تقریباً چلا کر پوچھا ۔
"آخر آپ نے وہاں کیا دیکھا تھا، اپنے دوست کو کس حال میں پایا تھا ۔"

لٹکتی لاش

چند لمحے کے لیے کار میں خاموشی طاری ہو گئی، انہیں محسوس ہوا جیسے انکل خان رحمان نے ان کا سوال سنا ہی نہ ہو، پھر خان رحمان بولے۔

"اب کچھ بتانے کی ضرورت نہیں رہی۔"

"جی کیا مطلب! بتانے کی ضرورت کیوں نہیں رہی۔" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"اس لیے کہ اب مجھے یقین ہو چلا ہے، تمہارے ابا جان بھی اسی طرف گئے ہیں، تھوڑی دیر بعد ہم بھی وہاں پہنچ جائیں گے اور تم اپنی آنکھوں سے دیکھ ہی لو گے۔" انہوں نے کہا۔

"کیا آپ نے بھی وہاں کوئی سایہ دیکھا تھا۔" فرزانہ چونک کر بولی۔

"نہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ محکمہ سراغرسانی کی عمارت میں کیا واقعہ پیش آیا ہے، وہ سایہ وہاں کہاں سے آ گیا اور اس

کا تعاقب کیوں کیا جا رہا ہے۔ یہ چکر کیا ہے۔"

"یہ ایک ایسا چکر ہے کہ آج تک اس قسم کے چکر سے ہمارا واسطہ نہیں پڑا ہوگا۔" فاروق نے ٹھنڈا سانس بھرا۔

"تمہیں کیوں افسوس ہو رہا ہے، آئے دن چکروں میں آلجھنا تو ہمارا مقدر بن چکا ہے۔" فرزانہ مسکرائی۔

"لیکن ایسا بھی کیا چکر کہ آدمی سایوں کے پیچھے دوڑنے لگے۔" محمود نے کہا۔

"شاید ہم اس صدی کے سب سے زیادہ عجیب واقعے سے دوچار ہونے والے ہیں۔" فرزانہ نے سوچ میں ڈوبتے ہوئے کہا۔

کار نے ایک موڑ کاٹا اور پہاڑی سلسلہ شروع ہو گیا، انہوں نے دیکھا، انسپکٹر جمشید کی موٹر سائیکل ان سے تھوڑے ہی فاصلے پہ رہ گئی تھی، لیکن اگلی کار کہیں نظر نہیں آ رہی تھی، چند منٹ بعد وہ ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں سے آگے صرف پیدل جانا ممکن تھا، موٹر سائیکل بھی وہیں کھڑی تھی، وہ کار سے اترے، انہوں نے دوسری طرف کی ڈھلان پہ نظر ڈالی اور کانپ کر رہ گئے، وہ جیپ جس میں سایہ بیٹھ کر فرار ہوا تھا، نیچے گرتی جا رہی تھی، اس میں سے دھواں اٹھ رہا تھا، ان سے کچھ آگے انسپکٹر جمشید پھٹی پھٹی آنکھوں

سے کار کو گرتے دیکھ رہے تھے۔

"کیا سایہ ختم ہو گیا۔"

فرزانہ کی آواز سن کر وہ چونک کر مڑے۔ وہ پانچوں ان کے بالکل پیچھے پہنچ چکے تھے، انسپکٹر جمشید ان کی طرف مڑتے ہوئے بولے۔

"کچھ کہہ نہیں سکتا، سایہ گاڑی میں ہی موجود تھا یا اس کے گرنے سے پہلے جیپ سے نکل چکا تھا۔ یوں بھی سائے کی موت کچھ عجیب سی بات لگتی ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے، پھر خان رحمان کو دیکھ کر چونکے۔

"اوہ! مجھے یاد آیا... رحمان کیا بات تھی، تم مجھ سے ملنے کے لیے آئے تھے، مجھے افسوس ہے، اس وقت ہم اندر عجیب و غریب حالات کا شکار تھے اور میں نے آئی جی کے چپراسی کے مکا دے مارا تھا۔"

"جی، مکا دے مارا تھا، لیکن کیوں؟"

اس پر انہوں نے سارا واقعہ تفصیل سے سنا دیا اور ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

"اف اللہ! یہ کیا ہو رہا ہے؟" فرزانہ نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا، حالات اس حد تک عجیب و غریب

ہیں کہ عقل دنگ ہے، یار رحمان تم نے بتایا نہیں، تمہارے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا ہے۔"

خان رحمان نے انہیں ستار توقیر کے بارے میں بتایا... شمالی پہاڑیوں کے ذکر پر انسپکٹر جمشید بہت زور سے چونکے۔

"اوہو... یہ تو ایک ہی سلسلے کی دو کڑیاں معلوم ہوتی ہیں، جلدی سے بتاؤ، تم نے کیا دیکھا تھا۔" انہوں نے کہا۔

"میں نے... میں نے اپنے دوست کو ایک عجیب عالم میں دیکھا تھا۔"

"کیا وہ سائے میں تبدیل ہو چکا ہے۔" انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

"نہیں۔ آؤ میرے ساتھ... میں تمہیں دکھاؤں۔"

یہ کہہ کر خان رحمان اس سمت میں بڑھنے لگے جس طرف وہ ظہور کے ساتھ پہلے ہی جا چکے تھے۔ تقریباً پندرہ منٹ کا راستہ تھا اور ان کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔

"انکل آج تو آپ بھی بالکل ابا جان کی طرح سسپنس پیدا کر رہے ہیں۔" فرزانہ نے منہ بنا کر کہا۔

"اب جب کہ ہم یہاں پہنچ ہی چکے ہیں، آنکھوں سے دیکھ لینا ہی بہتر ہوگا۔" خان رحمان سنجیدہ لہجے میں بولے۔

"یوں لگتا ہے جیسے انجانے خطرات ہماری طرف بڑھ رہے

ہیں۔ محمود نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں! شاید ہم کسی جال میں پھنسنے والے ہیں۔" فرزانہ بولی۔

"تم دونوں کو وہم ہو گیا ہے اور وہم کا علاج تو لقمان حکیم کے پاس بھی نہیں تھا، لہٰذا میں کیا کر سکتا ہوں اور ابّا جان یا انکل بھی کیا کر سکتے ہیں، ہم کسی جال کی طرف نہیں پہاڑیوں میں چل رہے ہیں اور یہ پہاڑیاں ہمارے ملک کا ایک حصہ ہیں، ہمارے ملک کی قدرتی سرحد کا کام دیتی ہیں، پھر بھلا ان سے ڈرنے یا خوف کھانے کی کیا ضرورت... یہ اور بات ہے کہ رات کی بڑھتی ہوئی تاریکی میں یہ پہاڑیاں تم دونوں کو جن یا بھوت نظر آ رہی ہیں۔" فاروق کہتا چلا گیا۔

"ہمیں تو اس وقت سب سے بڑے جن بھوت تم نظر آ رہے ہو۔" محمود نے تلملا کر کہا۔

"تب تو تمہیں مجھ سے مختصر کا بچنا چاہیے۔" فاروق نے جواب دیا۔

"بھوتوں سے ڈرنے والے اے آسمان نہیں ہم۔" فرزانہ گنگنائی۔

"میں آسمان نہیں، فاروق ہوں۔" فاروق نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"یہ مذاق کا کون سا موقع ہے۔" انسپکٹر جمشید نے جل کر کہا۔

"میں نے آج تک مذاق کے موقعے کو نہیں دیکھا، وہ مجھ سے دور دور ہی رہتا ہے، اس لیے میں بھی خود کو اس کا محتاج نہیں سمجھتا۔"

"یار چپ رہو، مجھے غصہ نہ دلاؤ، پہلے ہی ہم غیر یقینی حالات کا شکار ہیں۔" انسپکٹر جمشید جھلّا اٹھے۔

"اور اگر ہم سنجیدہ ہو گئے تو یہ غیر یقینی حالات تکلیف دہ بھی محسوس ہونے لگیں گے۔" فاروق نے عجیب سے لہجے میں کہا اور ان سب نے محسوس کیا، وہ ٹھیک ہی کہہ رہا ہے۔

"زندہ باد فاروق، میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں..." انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"جی کون سے الفاظ، یہ زندہ باد والے۔" فاروق نے حیرت ظاہر کی۔

"نہیں تھوڑی دیر پہلے جو کہے تھے کہ یہ مذاق کا کون سا وقت ہے۔" انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"بہت بہت شکریہ، میں نے آپ کے الفاظ واپس کیے۔" فاروق کا انداز شوخ تھا، وہ سب مسکرائے بغیر نہ رہ سکے، لیکن انہوں نے دیکھا، خان رحمان کے چہرے پہ مسکراہٹ کا

دور دور تک پتا نہ تھا۔

"انکل! آپ بہت سنجیدہ ہیں۔" محمود نے کہا۔

"ہاں! اور یہ سنجیدگی ابھی تمہیں بھی اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔" انہوں نے کہا، ساتھ ہی وہ رُک گئے۔ ان کی آنکھیں اپنے سامنے واقع ایک اونچی سی چٹان کی طرف اُٹھ گئیں۔ ان سب نے ان کی نظروں کے تعاقب میں ادھر دیکھا اور پھر وہ سکتے کے عالم میں رہ گئے۔

چٹان سے ایک شخص اُلٹا لٹک رہا تھا، اس کے دونوں پیر رسی میں جکڑے ہوئے تھے اور اسی چٹان کے دوسری طرف کہیں باندھی گئی تھی، دونوں بازو نیچے کی طرف لٹک رہے تھے اور دور سے ہی یہ بات صاف محسوس کی جا سکتی تھی کہ اسے مرے چوبیس گھنٹے سے کچھ زیادہ ہی وقت ہو چکا ہے۔

وہ سناٹے میں آ گئے، اوپر کے سانس اوپر اور نیچے کے نیچے رہ گئے۔

○

"یہ میرا دوست ستار توفیر ہے۔" خان رحمان کے منہ سے نکلا۔

"بے چارہ... نہ جانے کب کا ختم ہو چکا ہے۔" انسپکٹر

جمشید حیرت زدہ لہجے میں بولے۔
"لیکن ابا جان! یہ انسانی ہاتھوں کا کام نہیں ہو سکتا۔"
اچانک فرزانہ نے چونک کر کہا۔
"یہ تم کس طرح کہہ سکتی ہو۔" انسپکٹر جمشید کے لہجے میں حیرت در آئی۔
"اس طرح کہ اس چٹان کی چوٹی پر پہنچنا بہت مشکل ہے، آپ دیکھ رہے ہیں یہ بالکل عمودی لگتی ہے، ڈھلوان نہیں ہے۔" فرزانہ نے جواب دیا۔
"آج کل ایسے آلات بن چکے ہیں، جن کی مدد سے عمودی چٹانوں اور پہاڑوں پر بھی چڑھا جا سکتا ہے، تاہم ہو سکتا ہے، دوسری طرف کوئی راستہ ہو۔" انھوں نے کہا۔
"سوال یہ ہے کہ ہم کیا کریں۔" فرزانہ بولی۔
"ہم اس لاش کو لے کر جائیں گے، تاکہ اس غریب کو بھی کفن اور قبر میسر آ سکے، یوں بھی یہ ہماری عزت کا معاملہ ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔
"بہت خوب، لیکن ہم اسے کس طرح اتاریں گے۔"
"ہم دوسری طرف سے پہاڑی کا جائزہ لیں گے اور اگر کوئی صورت چوٹی پر پہنچنے کی نظر نہ آئی تو ہیلی کاپٹر سے کام لیا جائے گا۔" انھوں نے کہا۔

"بہت خوب تو پھر بسم اللہ کیجیے۔" محمود بولا۔

وہ سب پہاڑی کی دوسری طرف جانے کے لیے چکر کاٹنے لگے، یہ کوئی تھوڑا سا فاصلہ تو تھا نہیں کہ چند منٹ میں طے ہو جاتا... انہیں دوسری طرف پہنچنے میں تقریباً دو گھنٹے لگے، اور دوسری طرف پہنچنے کے بعد وہ دھک سے رہ گئے، چٹان اس طرف سے بھی عمودی ہی تھی۔

"کمال ہے، آخر لاش یہاں کس طرح لٹکا دی گئی۔" خان رحمان بڑبڑائے۔

"جہاں تک میرا خیال ہے، یہ ان سایوں کا ہی کام ہے۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

"پھر اب کیا پروگرام ہے؟" محمود نے کہا۔

"ہیلی کاپٹر منگانا ہی پڑے گا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اور اس کے لیے ہمیں واپس شہر جانا پڑے گا۔" فرزانہ نے کہا۔

"اب تم لوگوں کو اتنی تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں۔"

ایک خوفناک آواز نے انہیں چونکا دیا۔ وہ تیزی سے پلٹے۔

انسانی گھاؤ

چاروں طرف گھنگھور اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ اس اندھیرے میں سب سے پہلے انسپکٹر جمشید کی آنکھ کھلی۔ انہوں نے زمین ٹٹول کر اندازہ لگایا کہ پتھریلی ہے، وہ خاموشی سے لیٹے رہے اور یاد کرنے کی کوشش کرتے رہے کہ ان کے سامنے کیا واقعہ پیش آیا تھا، اچانک انہوں نے فاروق کی آواز سنی۔

"ہائیں! اندھیرے کو کیا ہوا، اتنا کالا کیوں ہو گیا ہے؟"

"شاید ستاروں سے اس کی لڑائی ہو گئی ہے۔" محمود مسکرایا۔

"تو اسے چاہیے کہ چاند سے دوستی گانٹھ لے، ورنہ قیامت تک کے لیے کالا ہو جائے گا۔" فرزانہ کی آواز سنائی دی۔

"پھر بھی، آج تاروں کو کیا ہوا، یہ کہاں چلے گئے؟"

محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

"سیر کرنے نکل گئے ہوں گے اور کہاں جاتے۔" فاروق بولا۔

"اور یہ ہمارے بستر بھی تو بوت سخت ہو گئے ہیں، جیسے پتھر کے بن گئے ہوں۔" فرزانہ بولی۔

"پرانے زمانے میں جادوگر انسانوں کو پتھروں میں تبدیل کر دیا کرتے تھے، آج کل کے جادوگروں نے شاید بستروں کو پتھروں میں تبدیل کرنے کے تجربات شروع کر رکھے ہیں۔" فاروق نے کہا۔

"جہاں تک میرا خیال ہے، ہم فوت ہو چکے ہیں اور قبر میں آرام سے لیٹے ہوئے ہیں۔" محمود بولا۔

"لیکن ہم تینوں کا ایک قبر میں کیا کام، کیا زمین پر قبروں کے لیے جگہ نہیں رہی۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"ہو سکتا ہے، ہم کسی حادثے کا شکار ہو گئے ہوں اور ہمارے جسم شناخت کے قابل نہ رہ گئے ہوں، اس لیے ہمیں ایک ہی قبر میں دفن کر دیا گیا ہو۔" محمود نے خیال ظاہر کیا۔

"اس طرح تو حساب کتاب میں بھی گڑبڑ ہو جائے گی۔" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"کیا مطلب، کیسا حساب کتاب؟" فرزانہ چونکی۔

"مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہر حساب کتاب لیتے ہیں، اس کی بات کر رہا تھا۔" فاروق اندھیرے میں مسکرایا۔

"وحشت تیرے کی!" محمود نے ناک پہ ہاتھ مارا۔ "تم یہاں بھی باز نہیں آتے۔"

"اس میں باز آنے والی کون سی بات ہے اور میں غلط کیا کہہ رہا ہوں، اگر ہماری لاشیں اس حد تک بگڑ چکی ہیں کہ ہمیں ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا ہے تو پھر کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ میرا حساب کتاب تم سے لے لیا جائے اور تمہارا فرزانہ سے۔"

"توبہ ہے، کچھ فرشتوں کا ہی خیال کرو۔ وہ کیا سوچیں گے؟" فرزانہ نے جھلائی ہوئی آواز میں کہا۔

"تم تینوں بہت شیطان ہو۔" آخر انسپکٹر جمشید کی آواز سنائی دی، یوں لگتا تھا جیسے انہوں نے ہنسی پہ بڑی مشکل سے قابو پایا ہو۔

"ارے باپ رے۔ یہ تو ابا جان کی آواز ہے، ابا جان... آپ بھی ہمارے ساتھ ہی آ پہنچے..."

"میں ہی نہیں، یہاں خان رحمان اور ظہورہ بھی موجود ہیں۔"

"ارے، انکل بھی... ان کے تو مزے ہوں گے۔" فاروق چہکا۔

"مزے... وہ کیسے؟" انسپکٹر جمشید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اس دنیا میں بھی قصور کے کان پکڑوایا کریں گے۔" فاروق بولا۔ اور خان رحمان کی ہنسی کی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی۔

"سوال یہ ہے کہ ہم اس دوسری دنیا میں کس طرح آ پہنچے۔" محمود نے کہا۔

"اس سے زیادہ ضروری سوال یہ ہے کہ دوسری دنیا اتنی اندھیری کیوں ہے۔" فرزانہ بولی۔

"فرشتوں سے پوچھ کر اس سوال کا جواب دوں گا۔" فاروق نے جلدی سے کہا۔

"فرشتے، کیا مطلب؟" فرزانہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں فرشتے، کیا تم نہیں جانتے، مرنے کے بعد قبر میں ہر آدمی کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور سوالات کرتے ہیں، یہ کہ تمہارا رب کون ہے، اپنے نبیؐ کے بارے میں کیا جانتے ہو۔"

"اوہ ہاں واقعی . . . یہ تو ہم بھول ہی گئے۔" محمود کے منہ سے کہا۔

"اگر ابھی سے بھول گئے تو فرشتوں کے آنے پر کیا کرو گے . . . لیکن یہ فرشتے اب تک آئے کیوں نہیں۔" فرزانہ بولی۔

"شاید لیٹ ہو گئے۔" فاروق منمنایا۔

اسی وقت ایک نیلے رنگ کی روشنی ان کے چاروں طرف پھیل گئی، روشنی بے حد ٹھنڈی تھی، انہیں یوں لگا جیسے اس

کی ٹھنڈک ہڈیوں میں گھستی جا رہی ہو، دوسرے یہ کہ روشنی گہری نیلی تھی۔

"یار فاروق! تم تو بالکل نیلے ہو گئے ہو۔" محمود نے ہنس کر کہا۔

"ایک میں کیا، یہاں تو سبھی نیلے نظر آ رہے ہیں، اور اس روشنی کو تو دیکھو، شاید برف کی بنی ہوئی ہے۔" فاروق کے منہ سے نکلا۔

روشنی پوری طرح پھیل گئی تو وہ اپنے ارد گرد دیکھنے کے قابل ہو گئے، وہ چونک اٹھے۔

"ارے! یہ تو کوئی غار ہے۔" خان رحمان کے منہ سے نکلا۔

"وضاحت تیرے کی۔" محمود نے ران پر ہاتھ مارا۔ "ہم اسے قبر سمجھ رہے تھے۔"

"لیکن ہم یہاں کیسے پہنچ گئے، ہم تو اس چٹان کا جائزہ لے رہے تھے جس سے ستارہ تو قبر کی لاش لٹک رہی تھی، اوہ... یاد آیا... ہم نے ایک آواز سنی تھی، کسی نے خوفناک لہجے میں کہا تھا کہ اب ہمیں ہیلی کاپٹر لانے کی تکلیف نہیں کرنی پڑے گی۔ اس کا مطلب ہے، ہم ان لوگوں کی قید میں ہیں۔" محمود کہتا چلا گیا۔

"ہاں! بلکہ یہ کہو، ہم ان سایوں کی قید میں ہیں۔"

"جی ۔ سایوں کی ۔" فرزانہ نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

"بالکل ۔ آخر ہم ایک سائے کا تعاقب کرتے ہوئے ہی تو آئے تھے اور جب ہم نے وہ آواز سنی تھی تو اس کے ساتھ ہی ہم پلٹے تھے، لیکن وہاں ہمیں کچھ بھی نظر نہ آیا تھا، البتہ ایک تیز گیس ہماری ناکوں میں گھس گئی تھی، ہم چکرا کر گر پڑے تھے۔"

"اوہ! اب سب یاد آگیا۔" خان رحمان بولے۔

"یہ ... یہ لوگ ہم سے کیا چاہتے ہیں۔" ظہور نے ڈری ڈری آواز میں کہا۔

"یہ ہمیں قربانی کے بکرے بنائیں گے۔" فاروق کے منہ سے نکلا۔

"ارے باپ رے۔" ظہور نے کانپ کر کہا۔

"اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے، آپ تو یوں ہی مُرغا بنتے رہتے ہیں۔" فاروق مسکرایا۔

"مرغا بننے میں اور قربانی کا بکرا بننے میں بہت فرق ہے۔" ظہور کی کھری بات پر ان کی ہنسی نکل گئی۔ اچانک انسپکٹر جمشید کی آواز نے انہیں ساکت کر دیا۔

"یہ روشنی خطرناک ہے۔"

"جی! روشنی بھی خطرناک ہو سکتی ہے؟" فرزانہ کے لہجے میں

حیرت در آئی۔

"ہاں! اس کی ٹھنڈک ہمارے جسموں میں سرایت کرتی جا رہی ہے، کیا تم کمزوری محسوس نہیں کر رہے ہو۔"

"لگتا تو یہی ہے۔" خان رحمان نے کپکپاتی آواز میں کہا۔

"محمود... ذرا ایک مکا فاروق کے مارنا۔"

"جی!!!" وہ حیران رہ گئے۔

"میں کہتا ہوں، مکا مارو۔" انہوں نے جھلا کر کہا۔

محمود گڑ بڑا گیا، پھر اس نے دائیں ہاتھ کا مکا قریب ہی لیٹے فاروق کے مارنا چاہا، لیکن اس کا ہاتھ اٹھا کا اٹھا رہ گیا۔

"میں اپنی طرف اٹھنے والا ہاتھ کالے جادو کے زور سے روک دیا کرتا ہوں۔" فاروق مسکرایا۔

"یہ تمہارا کمال نہیں، اس روشنی کا کمال ہے۔"

"روشنی کا کمال!" ان سب کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"ہاں! یہ ہماری طاقت سلب کرتی جا رہی ہے، تھوڑی دیر بعد ہم اس قابل بھی نہیں رہ جائیں گے کہ ہاتھ پیر ہی ہلا سکیں۔"

"اوہ!"

وہ دھک سے رہ گئے، اسی وقت انہوں نے ایک ہلکی

سی گڑگڑاہٹ سنی، جیسے بادل گرجے ہوں، لیکن یہ بادل نہیں گرجے تھے، غار میں ایک دروازہ نمودار ہوا تھا اور یہ دروازہ بہت بڑے پتھر کے سرکنے سے بنا تھا، انہوں نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا اور پھر دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔

○

چار سائے اس دروازے میں سے اندر داخل ہو رہے تھے، ان میں سے سب سے اگلا سایہ بہت لمبا تھا، اس کے ہونٹ ہلے اور آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی۔

"کہو دوستو! کیا حال ہے؟"

"بہت اچھا ـــ یہ روشنی کتنی پیاری ہے، ہم نے آج تک اتنی ٹھنڈی روشنی کبھی نہیں دیکھی، یہ تم نے کہاں سے حاصل کی۔" فاروق نے چہکتی آواز میں کہا۔

"ایسی چیزیں بنانا ہمارے بائیں ہاتھ کا کام ہے۔" لمبے سائے نے کہا۔

"اور دائیں ہاتھ کا کام کیسی چیزیں بنانا ہے۔" فاروق نے پوچھا۔

"بہت جلد ساری شوخی دھری رہ جائے گی۔" اس نے کہا۔

"کیوں، کیا ہو جائے گا شوکی کو۔" فاروق نے پوچھا۔

"سانپ سونگھ جائے گا۔"

"بہت خوب ... تو تم سپیرے ہو۔" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"کیا تم کچھ دیر خاموش نہیں رہ سکتے۔" لمبے سائے نے تلملا کر کہا۔

"ہاں! رہ سکتا ہوں، بتاؤ کتنی دیر خاموش رہوں۔"

"اگر اب بولے تو ایک بار پھر بے ہوش کر دیے جاؤ گے۔"

"بہت اچھا، اب نہیں بولوں گا، کیونکہ میں ہمیشہ ایک بار پھر بے ہوش ہونے سے گھبراتا ہوں، تو اب تم بولنا شروع کر دو، ہم تمہیں ہرگز یہ نہیں کہیں گے کہ خاموش ہو جاؤ۔"

"یہ تم خاموش ہوئے ہو۔" اس نے بگڑ کر کہا اور فاروق نے ہونٹ بھینچ لیے۔

"تم انسپکٹر جمشید ہو نا۔" لمبے سائے نے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں! تمہارا خیال ٹھیک ہے، لیکن تم اصل حالت میں آ کر بات کیوں نہیں کرتے، میں سایوں سے بات چیت کرنے

کا عادی نہیں ۔" انہوں نے کہا۔
"تم اصل حالت میں بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور نہ اس غار میں سے نکل سکتے ہو۔"
"غار سے نکلنے کی بات چھوڑو، اصل حالت میں آ کر بات کرو۔"
"اچھی بات ہے، یونہی سہی۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی انہیں ایک زندہ سلامت لمبا چوڑا آدمی اپنے سامنے نظر آنے لگا۔
اس کے چہرے پر چھوٹی سی ڈاڑھی تھی، آنکھیں بہت بڑی بڑی اور خوفناک تھیں، ناک بالکل سیدھی اور پتلی سی تھی، جسم بہت طاقت ور نظر آ رہا تھا، انسپکٹر جمشید نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔
"بہت خوب! اب بتاؤ، تم کیا چاہتے ہو، لیکن پہلے یہ بتاؤ تمہارا نام کیا ہے۔"
"میرا نام... میرا نام پروفیسر باران ہے۔"
"بھئی واہ! کتنا اچھا نام ہے، جیسے باران رحمت کہہ دیتے ہیں ہم، مگر ان صاحب کا تعلق رحمت سے تو ہرگز نہیں ہو سکتا، البتہ یہ تو نری زحمت ہی زحمت ہیں۔" فاروق کی زبان پھر حرکت میں آ گئی۔
"تم پھر بولے، تمہاری زبان کاٹنی پڑے گی۔"

"جو چپ رہے گی زبان، لہو پکارے گا آستین کا ..."
فاروق گنگنایا۔
"زبان نہیں، زبان خنجر۔" محمود نے اسے ٹوکا۔
"میں موقعے کی مناسبت سے کمی بیشی کر لیا کرتا ہوں۔"
"تم لوگ اپنی شامت کو آواز دے رہے ہو۔" پروفیسر نے جھنا کر کہا۔
"نہیں تو، ہم تو آپ سے باتیں کر رہے ہیں۔" فاروق نے کہا۔
"فاروق! خاموش رہو، مجھے ان سے بات کر لینے دو۔"
"جی بہت اچھا۔"
"ہاں تو پروفیسر باران! آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں اور تم ان پہاڑیوں میں کیا کر رہے ہو، یہ سایوں کا کیا چکر ہے۔"
"ہمیں تمہاری کسی بات کا جواب دینے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے، میں نے تمہارے بارے میں بہت کچھ سنا ہے، تم صرف اتنا سن لو کہ اب وہ دن دور نہیں جب ہم تمہارے ملک پر قبضہ کر لیں گے۔"
"اوہ!" وہ بھونچکے رہ گئے۔
"ہاں! اور یہ کام چٹکی بجاتے ہیں کر لیا جائے گا، تم ان سایوں کو تو دیکھ ہی رہے ہو، ان پر گولی اثر نہیں کرتی، اور لوگ انہیں دیکھ کر ویسے ہی دہشت زدہ ہو جاتے ہیں، بس ہم ان سایوں کی ایک پوری فوج لے کر تم لوگوں پر ٹوٹ پڑیں گے، تمہاری گولیاں بے کار

جائیں گے اور ہم گوریوں کے بغیر ہی تمہارے ملک پر قابض ہو جائیں گے۔ سونا اگلتی یہ زمین ہماری ہو گی۔"

"اور ہم لوگ کہاں جائیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"تم لوگوں کا صفایا کر دیا جائے گا۔ ایک ایسی چیز ایجاد کر لی گئی ہے جس سے انسانی جسم کو کھاد میں تبدیل کر دیا جاتا ہے۔ تم لوگ اس ملک کے کھیتوں کی کھاد بنو گے۔"

"انسانی کھاد!" خان رحمان کے منہ سے خوف زدہ انداز میں نکلا۔ انھوں نے چاہا، جھپٹ کر پروفیسر کا گلا دبوچ لیں اور اس وقت تک دباتے رہیں جب تک کہ اس کی روح پرواز نہ کر جائے۔ مگر وہ تو ہاتھ پیر ہلانے کے قابل بھی نہیں رہے تھے۔

نئی مصیبت

انسپکٹر جمشید کے سائے کے پیچھے روانہ ہونے کے بعد انسپکٹر خاور رحمانی اور انسپکٹر حافظ بھی ان کے پیچھے ہی روانہ ہوئے تھے، خاص طور پہ انسپکٹر حافظ بہت پریشان تھا، اسے انسپکٹر جمشید سے بہت لگاؤ تھا اور اس کا خیال تھا کہ وہ خطرے میں گھر گئے ہیں۔

"مسٹر حافظ! ہم نے غلطی کی، ہمیں اپنے ساتھ کچھ اور لوگوں کو بھی لے کر آنا چاہیے تھا۔"

"دیکھا جائے گا، اب تو ہم رُک نہیں سکتے۔" حافظ نے کہا۔

"یہ چکر سمجھ میں نہیں آیا، آئی جی صاحب کے چپراسی کی جگہ ایک مجرم نے کس طرح لے لی اور پھر وہ سائے میں کس طرح تبدیل ہو گیا، ہم نے اپنی آنکھوں سے نہ دیکھا ہوتا تو کبھی یقین نہ آتا۔" خاور رحمانی کہتا چلا گیا۔

"سائنس نے انسان کو چاند پہ پہنچا دیا، ابھی نہ جانے کیا کیا کچھ دیکھنے میں آئے گا۔" حافظ نے سرد آہ بھری۔

آخر وہ پہاڑی حدود میں داخل ہو گئے۔ ایک جگہ انہیں خان رحمان کی کار اور انسپکٹر جمشید کی موٹر سائیکل کھڑی نظر آئی، وہ بھی اس جگہ جیپ... سے اتر گئے اور پیدل راستہ طے کرنے لگے، اونچے نیچے راستے پر چلتے آخر وہ اس چٹان کے پاس پہنچ گئے، جس سے ستار توقیر کی لاش ابھی تک لٹک رہی تھی، وہ یہ نظارہ دیکھ کر دم بخود رہ گئے، آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

"اُف خدا — یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں۔" حافظ کے منہ سے نکلا۔

"ہم اس لاش کو کس طرح اتاریں۔" خاور رحمانی بولا۔

"مدد لانی ہو گی۔" حافظ بولا۔

"پہلے ہم خود جائزہ لے لیں، ہو سکتا ہے، دوسری طرف رسی کا سرا نظر آ جائے۔" خاور رحمانی نے کہا۔

دونوں چکر کاٹ کر دوسری طرف گئے اور پھر حافظ چونک اٹھا۔

"سوال تو یہ ہے کہ انسپکٹر جمشید کہاں گئے، وہ جیپ کہاں گئی جس پر بیٹھ کر سایہ یہاں تک آیا ہے اور وہ دوسری کار کس کی ہے۔" اس نے کہا۔

"ان سوالوں کا میرے پاس کوئی جواب نہیں۔" خاور نے

بے بسی سے کندھے اچکائے۔ آخر وہ واپس پلٹے، شہر پہنچ کر انھوں نے لاش کے بارے میں ڈی، آئی، جی صاحب کو فون کیا، تھوڑی دیر بعد وہ لوگ سازو سامان کے ساتھ پہاڑیوں کی طرف روانہ ہوئے۔ لاش کے نیچے ایک جال باندھا گیا اور رسے کو پستول کی گولی کا نشانہ بنایا گیا، اس طرح لاش جال پر آگری، اس کے بعد پہاڑیوں میں دور دور تک چھان بین کی گئی، مگر انسپکٹر جمشید کا کہیں پتہ نہیں چلا۔ اب تو ڈی، آئی، جی صاحب بہت فکر مند ہوئے، انہوں نے شہر پہنچ کر ان کے گھر فون کیا، پروفیسر داؤد کو فون کیا، اور آخر میں خان رحمان کو فون کیا۔ لیکن خان رحمان بھی ظہور سمیت غائب تھے اور ان کے بارے میں شہناز بیگم یا بچوں کو کچھ معلوم نہیں تھا۔ اسی وقت ریڈیو پر لاش کا حلیہ نشر کیا گیا تو بیگم ستارتو فیروہاں پہنچ گئیں اور جب انہوں نے بتایا کہ خان رحمان ان کے شوہر کی تلاش میں شمالی پہاڑیوں پر گئے تھے تو وہ حیران رہ گئے، کیونکہ بیگم جمشید سے انھیں معلوم ہوا تھا کہ محمود، فاروق اور فرزانہ خان رحمان کے ساتھ دفتر کی طرف گئے تھے،

اور پھر پہاڑیوں کے قریب خان رحمان کی کار سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ وہ چاروں بھی انسپکٹر جمشید کے ساتھ ہی سائے کے پیچھے گئے تھے، ان پر کیا بیتی ، یہ کوئی نہ جان سکا۔ یہ سنسنی خیز خبر پورے شہر میں پھیل گئی کہ شمالی پہاڑیوں میں کوئی پراسرار کھیل کھیلا جا رہا ہے، دوسرے دن کے اخبارات نے تمام تفصیل شائع کر دی، لوگ خوف زدہ ہوگئے، سایوں کی کہانی ہر زبان پر آگئی، ہر ایک دوسرے سے یہ پوچھ رہا تھا، اب کیا ہوگا،شہر میں پولیس گشت کرنے لگی۔ پہاڑیوں کے آس پاس فوج مقرر کر دی گئی۔بیگم جمشید کا حال سب سے برا تھا، شہناز بیگم اور ان کے بچوں کی حالت بھی خراب تھی، پروفیسر داؤد انھیں دلاسہ دینے کے لیے شائستہ کے ساتھ انسپکٹر جمشید کے گھر آگئے تھے اور بیگم شہناز اور ان کے بچے بھی وہیں آ جمع ہوئے تھے، پروفیسر داؤد کا ان سب واقعات کے بارے میں یہ خیال تھا کہ یہ ضرور کسی زبردست سائنسی دماغ کی کارستانی ہے، لیکن وہ دماغ کیا چاہتا ہے،یہ کسی کو معلوم نہیں تھا،

اور پھر پہاڑیوں کے قریب خان رحمان کی کار سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ وہ چاروں بھی انسپکٹر جمشید کے ساتھ ہی سائے کے پیچھے گئے تھے، ان پر کیا بیتی، یہ کوئی نہ جان سکا۔ یہ سنسنی خیز خبر پورے شہر میں پھیل گئی کہ شمالی پہاڑیوں میں کوئی پراسرار کھیل کھیلا جا رہا ہے، دوسرے دن کے اخبارات نے تمام تفصیل شائع کر دی، لوگ خوف زدہ ہوگئے، سایوں کی کہانی ہر زبان پر آگئی، ہر ایک دوسرے سے یہ پوچھ رہا تھا، اب کیا ہوگا، شہر میں پولیس گشت کرنے لگی۔ پہاڑیوں کے آس پاس فوج مقرر کر دی گئی۔ بیگم جمشید کا حال سب سے برا تھا، شہناز بیگم اور ان کے بچوں کی حالت بھی خراب تھی، پروفیسر داؤد انھیں دلاسہ دینے کے لیے شائستہ کے ساتھ انسپکٹر جمشید کے گھر آگئے تھے اور بیگم شہناز اور ان کے بچے بھی وہیں آ جمع ہوئے تھے، پروفیسر داؤد کا ان سب واقعات کے بارے میں یہ خیال تھا کہ یہ ضرور کسی زبردست سائنسی دماغ کی کارستانی ہے، لیکن وہ دماغ کیا چاہتا ہے، یہ کسی کو معلوم نہیں تھا،

اور پھر پہاڑیوں کے قریب خان رحمان کی کار سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ وہ چاروں بھی انسپکٹر جمشید کے ساتھ ہی سائے کے پیچھے گئے تھے، ان پر کیا بیتی ، یہ کوئی نہ جان سکا۔ یہ سنسنی خیز خبر پورے شہر میں پھیل گئی کہ شمالی پہاڑیوں میں کوئی پراسرار کھیل کھیلا جا رہا ہے، دوسرے دن کے اخبارات نے تمام تفصیل شائع کر دی، لوگ خوف زدہ ہوگئے، سایوں کی کہانی ہر زبان پر آگئی، ہر ایک دوسرے سے یہ پوچھ رہا تھا، اب کیا ہوگا، شہر میں پولیس گشت کرنے لگی۔ پہاڑیوں کے آس پاس فوج مقرر کر دی گئی۔ بیگم جمشید کا حال سب سے برا تھا، شہناز بیگم اور ان کے بچوں کی حالت بھی خراب تھی، پروفیسر داؤد انھیں دلاسہ دینے کے لیے شائستہ کے ساتھ انسپکٹر جمشید کے گھر آگئے تھے اور بیگم شہناز اور ان کے بچے بھی وہیں آ جمع ہوئے تھے، پروفیسر داؤد کا ان سب واقعات کے بارے میں یہ خیال تھا کہ یہ ضرور کسی زبردست سائنسی دماغ کی کارستانی ہے، لیکن وہ دماغ کیا چاہتا ہے، یہ کسی کو معلوم نہیں تھا،

اور پھر پہاڑیوں کے قریب خان رحمان کی کار سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ وہ چاروں بھی انسپکٹر جمشید کے ساتھ ہی سائے کے پیچھے گئے تھے، ان پر کیا بیتی ، یہ کوئی نہ جان سکا۔ یہ سنسنی خیز خبر پورے شہر میں پھیل گئی کہ شمالی پہاڑیوں میں کوئی پراسرار کھیل کھیلا جا رہا ہے، دوسرے دن کے اخبارات نے تمام تفصیل شائع کر دی، لوگ خوف زدہ ہوگئے، سایوں کی کہانی ہر زبان پر آگئی، ہر ایک دوسرے سے یہ پوچھ رہا تھا، اب کیا ہوگا، شہر میں پولیس گشت کرنے لگی۔ پہاڑیوں کے آس پاس فوج مقرر کر دی گئی۔ بیگم جمشید کا حال سب سے برا تھا، شہناز بیگم اور ان کے بچوں کی حالت بھی خراب تھی، پروفیسر داؤد انھیں دلاسہ دینے کے لیے شائستہ کے ساتھ انسپکٹر جمشید کے گھر آگئے تھے اور بیگم شہناز اور ان کے بچے بھی وہیں آ جمع ہوئے تھے، پروفیسر داؤد کا ان سب واقعات کے بارے میں یہ خیال تھا کہ یہ ضرور کسی زبردست سائنسی دماغ کی کارستانی ہے، لیکن وہ دماغ کیا چاہتا ہے، یہ کسی کو معلوم نہیں تھا،

دیر ہو گئی تھی، انھوں نے محسوس کیا وہ اٹھ سکتے ہیں۔
وہ کھڑے ہو گئے، انھیں اٹھتے دیکھ کر محمود، فاروق
اورفرزانہ بھی اچھل کر کھڑے ہو گئے، اب تو خان رحمان
اورظہوربھی نہ رہ سکے۔ہمیں اس غارکوٹھوک بجا کر دیکھنا ہے۔انسپکٹر
جمشید بولے۔وہ ہاتھوں اور جوتوں کی نوکوں سے غار کی دیواروں
کو بجا بجا کر دیکھنے لگے، آہستہ آہستہ وہ آگے بڑھ رہے
تھے، یہ غار ایک لمبے تکونے سے کمرے کی شکل کا تھا،
یوں معلوم ہوتا تھا جیسے پتھروں کو تراش کر بنایا گیا ہو، قدرتی
تو ہرگز معلوم نہیں ہوتا تھا، اندھیرے میں وہ بھی نہیں
جانتے تھے کہ غار کا دروازہ ٹھیک کس جگہ نمودار ہوتا تھا،
اندازے سے وہ اس جگہ پہنچ گئے اور کافی دیر تک اس
کے پاس جگہوں کو ٹٹول رہے، لیکن شاید وہ دروازہ
دوسری طرف ہی سے کھلتا ہے، پھر وہ اس جگہ سے بھی
آگے بڑھ گئے، کمرہ کسی شیطان کے آنت کی طرح لمبا تھا،
اور انھیں اس کا دوسرا سرا سبز روشنی میں بھی نظر

نہیں آیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے، ہم ساری عمر چلتے جائیں گے اور یہ غار ختم نہیں ہوگا۔ فرزانہ کے لہجے میں بے بسی تھی۔
ہم سب کی عمریں ایک جیسی ہرگز نہیں ہو سکتیں۔
فاروق بولا۔ کیوں نہ ہم اتنی دور نکل جائیں کہ دوسرے دن واپس اس جگہ نہ پہنچ سکیں، پروفیسر باران ہمیں وہاں نہ پاکر اپنے سائے دوڑا دے گا، محمود نے کہا۔
جو ہوگا، دیکھا جائے گا، اب مجھ سے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر تو بیٹھا نہیں جاتا، انسپکٹر جمشید جھلّا اٹھے اور جھلّاہٹ کے عالم میں انھوں نے پاؤں کی ٹھوکر زور سے دیوار سے دے ماری، فوراً ہی ایک عجیب سی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی، وہ سب خاموش ہوگئے، پھر فرزانہ کے منہ سے نکلا۔ آواز کیسی تھی؟ میں نے ایک جگہ پاؤں کی ٹھوکر ماری تھی، انسپکٹر جمشید نے انھیں بتایا۔ تو پھر خدا کیلئے دوبارہ اسی جگہ ٹھوکر ماریے، یوں لگتا ہے جیسے یہاں سے غار ٹھوس نہ ہو، فرزانہ کے لہجے میں کپکپاہٹ تھی۔ خود انسپکٹر جمشید کو یہی محسوس ہوا تھا

چنانچہ انھوں نے دوبارہ ٹھوکر ماری اور پھر فوراً ہی بولے فاروق! اپنی جیب میں ہاتھ ڈالو، کیا اس میں پنسل ٹارچ موجود ہے۔جی ہاں موجود ہے اور میں نے اس وقت تک اسے صرف اسی خیال سے استعمال نہیں کیا تھا کہ شاید ہمیں اس کی ضرورت پڑے، فاروق جلدی سے بولا۔بہت خوب! تو پھر اب اس کی ضرورت پیش آگئی ہے اسے نکال لو۔فاروق نے ٹارچ روشن کی اور اپنے والد کو دے دی، انھوں نے جس جگہ ٹھوکریں رسید کی تھیں، ٹارچ کی روشنی وہاں ڈالی اور ہاتھ سے تھپتھپا کر دیکھا۔ محمود! اپنے جوتے کی ایڑی میں سے چاقو نکالو، انھوں نے پرجوش لہجے میں کہا۔محمود نے ایڑی کو زور لگا کر کھسکایا تو اس میں سے ایک ننھا سا چاقو نکل کر گر پڑا، انسپکٹر جمشید نے اسے کھولا، اور اس جگہ سے غار کو کھرچنے لگے، دوسرا لمحہ چونکا دینے والا تھا، اس جگہ پتھر نہیں تھا، پتھر کے رنگ کی مٹی تھی جو چاقو کی مدد سے نہایت آسانی سے اترتی

چلی گئی، اور جلد ہی سوراخ دو فٹ چوڑا ہو گیا، لیکن
اس سے بڑا نہ ہوسکا، اس کے بعد پتھر ہی پتھر تھا۔
معلوم ہوتا ہے، یہ لوگ اسی سوراخ کے ذریعے اس
غار میں داخل ہوئے تھے یا اس جگہ سے غار بنایا گیا ہوگا
بہرحال میں اللہ کا نام لے کر باہر نکل رہا ہوں۔
ہم بھی آپ کے پیچھے آرہے ہیں، محمود بولا۔
انسپکٹر جمشید نے پہلے سر نکالا اور پھر دھڑ۔ باہر

نکلنے پر انہیں پتا چلا، سورج غروب ہو چکا تھا، ورنہ سوراخ ہونے پر غار کے اندر روشنی ضرور آتی، صرف دو منٹ بعد وہ سب باہر نکل کر کھلی فضا میں لمبے لمبے سانس لے رہے تھے۔

"یا اللہ تیرا شکر ہے، اس شیطان کی آنت جتنے لمبے غار سے تو نجات ملی۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"غار واقعی بہت لمبا تھا اور اب میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ مصنوعی تھا۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

"سوال تو یہ ہے کہ اب ہم کیا کریں۔۔۔ یہ لوگ تو پورے شہر پر قبضہ جمانے والے ہیں۔" خان رحمان نے فکر مند لہجے میں کہا۔

"ہم دیکھیں گے کہ کیا کیا جا سکتا ہے، غار سے آزاد ہونے کے بعد تو ہم بہت کچھ کر سکتے ہیں، سب سے پہلے ہم پروفیسر داؤد سے ملاقات کریں گے اور اس کے لیے ہمیں اپنی کار اور موٹر سائیکل تک جانا ہو گا۔۔۔ آؤ چلیں۔"

رات تاریک تھی، لیکن آسمان پر تارے نکلے ہوئے تھے، تاروں کی روشنی میں وہ راستہ طے کرتے رہے۔

"تارے نیند میں معلوم ہوتے ہیں، یوں لگتا ہے، جیسے

جمائیاں لے رہے ہیں۔" فاروق بولا۔

"لو! اب تارے بھی جمائیاں لینے لگے۔" فرزانہ جل کر بولی۔

"تو تم کیوں جلی جا رہی ہو، ان کے جمائیاں لینے سے۔ یہ تو انگڑائیاں بھی لے سکتے ہیں۔" فاروق نے مسکرا کر کہا۔

"چپ رہو، کہیں چاند تمہاری باتیں نہ سن لے۔" محمود نے گھبرا کر کہا۔

"تو پھر اس سے کیا فرق پڑ جائے گا اور پھر چاند صاحب ابھی نکلے کہاں ہیں کہ میری باتیں سن لیں گے۔"

"تم تو اس طرح کہہ رہے ہو جیسے نکلنے کے بعد باتیں سن ہی تو لے گا چاند!" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"کہنے کا مطلب یہ تھا کہ چاند اپنے دوستوں کی برائی برداشت نہیں کر سکے گا۔" محمود نے جلدی سے کہا۔

"میرا خیال ہے، اب اس بے مقصد گفتگو کو ختم ہو جانا چاہیے۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنا کر کہا۔

"چلئے دوجنی، اچھی لگ رہی ہیں۔" خان رحمان مسکرائے۔

"اچھی لگ رہی ہیں۔ کیا آپ ہماری باتیں چکھ رہے ہیں۔" فاروق ہنسا۔

"صرف چکھ ہی نہیں رہا، سوچ بھی رہا ہوں۔" خان رحمان بولے۔

"میں فکر مند ہوں، شہر کے لیے، ملک کے لیے اور لوگوں کے لیے، ان سب کو بچانے کا مجھے کوئی طریقہ نہیں سوجھ رہا ہے اور تم لوگوں کو مذاق کی سوجھ رہی ہے، دوسری طرف ہم شاید فوجی جوانوں کے نزدیک پہنچنے والے ہیں۔"

ان کے الفاظ نے انہیں چونکا دیا، ساتھ ہی وہ مطمئن بھی ہو گئے کہ اپنے فوجیوں تک پہنچ گئے ہیں، اب جلد شہر پہنچ جائیں گے، انسپکٹر جمشید نے دبی آواز میں انہیں ہدایت دی۔

"ہم نزدیک پہنچیں گے تو فوجی جوان ہمیں ہاتھ اوپر اٹھانے کے لیے کہیں گے، فوراً ہاتھ اوپر اٹھا دینا۔"

"بہت بہتر۔" انہوں نے ایک ساتھ کہا۔

وہ چلتے رہے اور آخر فوجیوں کے نزدیک پہنچ گئے.. انہوں نے بھی ان لوگوں کو آتے دیکھ لیا، فوراً ہی کڑک دار آواز سنائی دی۔

"خبردار! ہاتھ اوپر اٹھا دو۔"

ان کے ہاتھ اوپر اٹھتے چلے گئے۔

ڈاکٹر طومان

"تم لوگ کون ہو اور کہاں سے آ رہے ہو" ایک فوجی نے کرخت دار آواز میں کہا۔

"ہم ایک غار کی قید سے آزاد ہوئے ہیں اور شہر جانا ہے، کیا آپ بتا سکتے ہیں، شہر کی کیا حالت ہے"

انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"پہلے یہ بتاؤ، تم غار میں قید کیوں تھے؟" اس نے پوچھا۔

"ہم ایک سائے کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک پہنچے تھے اور پھر ہمیں ایک غار میں قید کر دیا گیا۔"

"بہت خوب! پہلے ہم تمہارے بارے میں ہر طرح اطمینان کریں گے اور اس کے بعد شہر پہنچا دیں گے۔"

"ٹھیک ہے، ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔" انہوں نے کہا، اور آگے بڑھنے لگے۔

روشنی بہت ہلکی تھی اور اس روشنی میں وہ ایک

دوسرے کو سائے ہی نظر آ رہے تھے۔ فوجیوں نے پہلے ان کی تلاشی لی اور پھر ایک نے کہا۔

"ٹھیک ہے، تم لوگوں کے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے، لیکن ہم تمہیں اس طرح شہر جانے کی اجازت نہیں دے سکتے، پہلے کیپٹن کے سامنے پیش کریں گے۔"

"جو کچھ بھی کرنا ہے، جلدی کرو، کیونکہ وقت بہت قیمتی ہے، نہ جانے شہر میں کیا حالت ہو۔"

"بہت اچھا، آؤ۔"

وہ انہیں لے کر ایک سمت میں چل پڑے... اب انہوں نے ہاتھ گرا لیے تھے اور فوجیوں نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا، پھر وہ سب ایک خیمے میں داخل ہوئے، یہاں مٹی کے تیل کا لیمپ جل رہا تھا۔ جونہی وہ خیمے میں داخل ہوئے، ایک کڑک دار آواز نے کہا۔

"خبردار! تم میں سے کوئی حرکت کرنے کی کوشش نہ کرے، ورنہ گولی سے اڑا دیا جائے گا۔"

انسپکٹر جمشید اور سب بری طرح چونکے، لیمپ کی روشنی میں انہیں فوجیوں کی وردی صاف نظر آئی، یہ تو دشمن ملک کی وردی تھی اور اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ ان کے وطن کے فوجی نہیں تھے، انسپکٹر جمشید نے سوچا، کیا ان

کہ شہر پر دشمنوں کا مکمل قبضہ ہو چکا ہے، یہ خیال لرزا دینے والا تھا، تاہم وہ خاموش رہے، خاموش رہ کر حالات کا جائزہ لینے میں ہی بہتری تھی۔

"کیپٹن! یہ لوگ غار کی طرف سے آ رہے تھے۔"

"یہ کون ہیں اور اس طرف کس طرح پہنچ گئے۔"

"ان کا کہنا ہے کہ یہ غار میں قید تھے اور سایوں نے انہیں قید کر دیا تھا۔"

"اوہ! اس کا مطلب ہے، یہ ہمارے دشمن ملک سے تعلق رکھتے ہیں، تب تو انہیں پروفیسر کے پاس پیش کر دینا چاہیے۔" کیپٹن نے کہا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا... اس نے اپنا پستول نکال لیا، اسی وقت وائرلیس پر اشارہ ملا، اس نے جلدی سے کہا۔

"ہیلو کیپٹن شارل بول رہا ہوں۔"

"دیکھو شارل... انسپکٹر جمشید اور اس کے ساتھی غار سے بھاگ نکلے ہیں، یہ بہت خطرناک لوگ ہیں، اپنے آدمی چاروں طرف پھیلا دو، وہ بچ کر جانے نہ پائیں اور اگر تم انہیں گرفتار کر لو، تو ڈاکٹر کے پاس پہنچا دینا۔"

"میں نے انہیں گرفتار کر لیا ہے پروفیسر۔" کیپٹن شارل نے خوش ہو کر کہا۔

"بہت خوب شاذل، بہت جلد تم بہت جلد بہت اونچے عہدے پر مقرر کیے جاؤ گے، دشمن کے خاص آدمی ہماری سرزمین پر پکڑ لیے گئے ہیں، ان پر غیر ملکی جاسوس ہونے کے الزام میں مقدمہ چلایا جائے گا۔"

"بہت بہتر۔ میں انہیں ابھی پروفیسر کے پاس پہنچا دیتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔" یہ کہہ کر دوسری طرف سے سلسلہ بند کر دیا گیا۔

"میرے ساتھ چار آدمی اور چلیں گے، ہم یہاں سے سیدھے ڈاکٹر کی تجربہ گاہ جائیں گے۔" کیپٹن شاذل نے کہا۔

"بہت بہتر! ہم چار آپ کے ساتھ چلیں گے، تم لوگ واپس جاؤ۔" آنے والوں میں سے ایک نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی ہاتھ اوپر اٹھائے ان کے آگے چل رہے تھے اور وہ رائفلیں تانے ان کے پیچھے تھے، صرف کیپٹن شاذل کے ہاتھ میں پستول تھا۔

"آسمان سے گرا، کھجور میں اٹکا۔ شاید ایسے ہی موقعوں کے لیے کہا گیا ہے۔" فاروق نے سرد آہ بھر کر کہا۔

"پروا مت کرو، ڈاکٹر صاحب سے بھی مل لیتے ہیں۔"
انسپکٹر جمشید بولے۔
"ہم تو اس پروفیسر کو ہی باس سمجھے تھے۔" محمود نے کہا۔
"ابھی تو نہ جانے ڈاکٹر کے اوپر بھی کتنے ہوں گے، پورے ملک کے خلاف سازش کی گئی ہے اور یہ سازش اس ایجاد کے سر پر کی گئی ہے، جس کے ذریعے یہ سائے میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔
"لیکن یہ ڈاکٹر صاحب کون ہیں، ان کا نام کیا ہے۔" فاروق نے پوچھا۔
"یہ تو کیپٹن شاکل ہی بتا سکتے ہیں۔"
"ان کا نام ڈاکٹر طوبان ہے۔"
"اوہو۔ تو یہ ڈاکٹر طوبان کا کارنامہ ہے۔" انسپکٹر جمشید چونکے۔
"کیا آپ ڈاکٹر طوبان سے واقف ہیں۔" محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔
"ہاں! بہت اچھی طرح، اس شخص نے ہمارے ملک کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے سرد آواز میں کہا۔

"اور اس مرتبہ ایسا نقصان پہنچا رہا ہے کہ زندگی بھر تم لوگ آزادی کا سانس نہیں لے سکو گے۔" کیپٹن شارل نے مسرت بھرے لہجے میں کہا۔

"دیکھا جائے گا، ہمیں کتنی دور چلنا ہوگا۔"

"صرف دو فرلانگ۔ دو فرلانگ دور اس مہم کا مرکزی دفتر ہے جو ڈاکٹر کی تجربہ گاہ کہلاتا ہے۔"

"یہ تجربہ گاہ وہاں کب سے موجود ہے۔" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"تقریباً پانچ سال سے اس منصوبے پہ کام ہو رہا ہے عمل کا وقت اب آیا ہے۔" اس نے بتایا۔

"بہت خوب! دو فرلانگ کا فاصلہ تو ہم طے کر ہی لیں گے، لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ اس منصوبے کے اصل انچارج تو ڈاکٹر طومان ہیں، پھر غاروں میں پروفیسر باران کا کیا کام۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اصل میں تو منصوبے کو ڈاکٹر طومان ہی کنٹرول کر رہے ہیں، لیکن پروفیسر باران ان کے اسسٹنٹ کی حیثیت سے غاروں کا انتظام سنبھالے ہوئے ہیں۔" اس نے بتایا۔

"لیکن آدمی سائے میں کس طرح تبدیل ہو جاتا ہے۔"

"یہ ڈاکٹر طوفان ہی بتا سکتے ہیں۔" اس نے کہا۔

انسپکٹر جمشید سوچ میں ڈوب گئے، وقت بہت نازک تھا اور ان کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا، یہ حقیقت تو ان سب پر واضح ہو چکی تھی کہ وہ اس وقت دشمن ملک میں موجود تھے، غار جو ایک سرنگ کی مانند تھا۔۔۔۔ انہیں دوسری طرف لے آیا تھا، وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اگر وہ مکمل طور پر دشمنوں کے قبضے میں آ گئے تو پھر انہیں پھانسی کے تختے سے کوئی نہیں بچا سکے گا، اس وقت تک دشمن ملک کے نہ جانے کتنے منصوبے صرف ان کی وجہ سے ناکام ہو چکے تھے، انہیں جب یہ خبر ملتی کہ انسپکٹر جمشید ان کے قبضے میں آ گئے ہیں، تو وہ شاید خوشی سے پاگل ہو جاتے اور یہی سب کچھ انسپکٹر جمشید سوچ رہے تھے۔

○

شہر سنسان ہو چکا تھا، لوگ سایوں سے اس طرح خوفزدہ تھے کہ گھروں میں بند ہو کر بیٹھ گئے تھے، حالانکہ سائے صرف اس پر فائر کرتے تھے، جو ان پر حملہ کرتا یا فائر کرتا، حالانکہ اگر کوئی ان پر فائر کرتا تھا تو اس سے سایوں کا کچھ بھی نہیں بگڑتا تھا، شام تک تمام پولیس اسٹیشنوں پر بھی

ان سایوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ پھر شام کی خبریں نشر ہوئیں تو لوگوں کو پتا چلا کہ وہاں بھی سائے قابض تھے اور خبریں وہی سنا رہے تھے، ان میں بتایا گیا کہ سارے شہر پہ ان کا قبضہ ہو چکا ہے اور جن لوگوں نے ہتھیار اٹھانے کی کوشش کی، انھیں تہس نہس کر دیا جائے گا، سب لوگوں ہدایت کی جاتی ہے کہ اپنا اپنا کام کرتے رہیں، انھیں کچھ نہیں کہا جائے گا، تمام افسرانِ بالا کو قید کر لیا گیا ہے... انھیں پورے ملک پہ قبضہ ہونے کے بعد رہا کر دیا جائے گا اب اس ملک پہ ہماری حکومت ہو گی۔

یہ خبریں لوگوں نے بند گھروں میں بیٹھ کر سنیں اور سکتے میں آ گئے، ان کے رنگ اُڑ گئے، اس طرح پورے ملک پہ دشمنوں کا قبضہ ہو سکتا ہے، یہ تو کسی نے خواب میں بھی نہ سوچا تھا۔

بیگم جمشید، بیگم شہناز، ان کے بچوں اور پروفیسر داؤد کے ساتھ شائستہ کا رنگ بھی اُڑ چکا تھا، کیونکہ انسپکٹر جمشید، خان رحمان، ظہور اور بچوں کی کوئی اطلاع نہیں تھی اطلاع ملتی بھی کس طرح، سارا نظام تو دو دن کے اندر درہم برہم ہو چکا تھا۔

"آج تک ایسے حالات سے واسطہ نہیں پڑا۔" پروفیسر داؤد

کہہ رہے تھے۔

"کیا آپ بھی اب تک کچھ نہیں سمجھ سکے۔" شہناز بیگم نے پوچھا۔

"سمجھ تو بہت کچھ گیا ہوں، لیکن اس کا فائدہ کچھ نہیں، اگر انسپکٹر جمشید میرے ساتھ ہوتے اور ہم مل کر دشمنوں کے ٹھکانے پر پہنچ جاتے تو ہم بہت کچھ کر سکتے تھے، لیکن میں تنہا کچھ نہیں کر سکتا۔"

"کاش! ہمیں معلوم ہوتا، وہ کہاں ہیں۔" بیگم جمشید بولیں۔

"وہ ان پہاڑیوں کی طرف ہی گئے تھے، ان کی موٹر سائیکل اور رحمان کی کار وہیں سے ملی ہے، لیکن اب تو وہ پورا علاقہ سایوں کے قبضے میں ہے، خدا جانے یہ اتنے سائے کہاں سے آ گئے، یوں لگتا ہے جیسے کوئی مشین پر سائے بنا رہا ہے۔" شہناز بیگم کہتی چلی گئیں۔

"آپ نے ان سایوں کے متعلق کیا اندازہ لگایا ہے۔" بیگم جمشید نے پوچھا۔

"پورا پورا اندازہ نہیں لگا سکا، تجربہ کرنے سے ہی معلوم ہو سکتا ہے کہ میرا اندازہ کس حد تک درست ہے۔" انہوں نے کہا۔

"کیا ہم ہمیشہ کے لیے غلام بنا لیے جائیں گے۔" بیگم جمشید کے لہجے میں حسرت تھی۔

"اگر ان سایوں کو ختم نہ کیا گیا تو ہو سکتا ہے، ایسا وقت آ جائے۔" پروفیسر بولے۔

"اُف خدا، اگر ایسا وقت آیا تو ہم کس طرح زندہ رہیں گے۔" شہناز بیگم نے تھرتھر کانپتی آواز میں کہا۔

"حوصلہ ہارنے سے کچھ نہیں بنے گا، حالات اس وقت ایسے ہیں کہ پورا ملک بے بس ہے، دارالحکومت پہ ان کا قبضہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایک طرح سے پورے ملک پہ ہی ان کا قبضہ ہو گیا ہے، مصیبت یہ ہے کہ ان پہ نہ تو گولی اثر کرتی ہے نہ کوئی اور ہتھیار۔ اب کریں تو کیا کریں۔" پروفیسر بولے۔

"ہم۔ ہم ایک کام کر سکتے ہیں۔" اچانک بیگم جنید بولیں۔

"اور وہ کیا؟" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"دعا۔ ہم اللہ سے دعا تو کر سکتے ہیں۔"

آدمی کا شکار

راستہ دو فرلانگ کا تھا اور اس میں سے تقریباً آدھ فرلانگ طے ہوا تھا، اچانک انسپکٹر جمشید کو زبردست ٹھوکر لگی، وہ لڑکھڑائے اور پھر دھڑام سے گر پڑے، محمود چلا اٹھا۔

"ابا جان!" ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ انہیں اٹھانے کے لیے جھکا، ایک لمحے کے لیے سب کے سب ان کی طرف متوجہ ہو گئے، موقع اچھا تھا، فرزانہ فوراً فاروق کے کان پر جھکی۔

"فاروق! بھاگو جس قدر تیزی سے بھاگ سکتے ہو... بھاگو۔"

فاروق کے ذہن میں بات آگئی، اس نے ایک چھلانگ لگائی اور دائیں طرف دوڑ لگا دی، فرزانہ نے بھی اس کے ساتھ ہی چھلانگ لگائی تھی اور اس کے ساتھ ہی بھاگ رہی تھی۔

"ارے — ارے — انہیں پکڑو۔" کیپٹن شارل پوری قوت سے چلایا، اس کے آدمی ان کے پیچھے بھاگے، لیکن اتنی دیر میں ہی وہ کافی دور جا چکے تھے، وہ نہ تو آگے کی طرف دوڑے تھے، نہ پیچھے کی طرف، بلکہ دائیں سمت میں مڑ گئے تھے اور بگٹٹ بھاگ رہے تھے، فوراً ہی کیپٹن شارل کے آدمی ان کے تعاقب میں دوڑ پڑے تھے۔

کہاں تو سب لوگ انسپکٹر جمشید کی طرف متوجہ ہو گئے، کہاں وہ یک دم فاروق اور فرزانہ کی طرف دیکھنے لگے اور یہ موقع تھا، انسپکٹر جمشید اور محمود کے لیے، وہ زمین سے اٹھے اور بائیں طرف دوڑ پڑے، ایک بار پھر شارل کے منہ سے نکلا۔

"ارے یہ بھی گئے، خدا کے لیے انہیں پکڑو۔"

اب باقی لوگ انسپکٹر جمشید اور محمود کے پیچھے دوڑے، شارل بھی ان کے ساتھ تھا، اس جگہ صرف خان رحمان اور ظہور کھڑے رہ گئے۔

"ظہور!" ایسے میں خان رحمان کے منہ سے نکلا۔

"ج ج... جی سرکار۔" وہ ہکلایا۔

"ہم دونوں کو تو یہ اس طرح یہاں چھوڑ گئے ہیں، جیسے

ہمیں بھاگنا آتا ہی نہ ہو، تمہیں بھاگنا آتا ہے نا۔"

"بچپن میں سکول سے بھاگنے میں بہت ماہر تھا، اگر ایسا نہ ہوتا تو میں آج آپ کا ملازم نہ ہوتا، کوئی میرے گھر میں ملازم ہوتا۔" ظہور نے سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔

"بات تو تمہاری معقول ہے، تو ذرا اپنی بچپن کی مہارت کو آواز دو، وہ چاروں تو ان کے ہاتھ آئیں گے نہیں، نتیجہ یہ ہو گا کہ بھاگتے ہوئے دشمن واپس یہاں آئیں گے، اور ہمیں جکڑ لیں گے، پھر ہمارا وہ حشر کریں گے جو تمہارا بچپن میں سکول سے بھاگنے پہ تمہارے استاد بھی نہ کرتے ہوں گے۔"

"ارے باپ رے! وہ تو بہت بڑی مار مارا کرتے تھے۔" ظہور کپکپا اٹھا۔

"تو پھر بھاگو، منہ کیا دیکھ رہے ہو۔" انہوں نے کہا۔

"لیکن کس طرف بھاگیں، دائیں اور بائیں طرف تو وہ بھاگے ہیں، پیچھے پہاڑیاں ہیں جن پہ دشمن کا قبضہ ہے اور آگے ان کا ہیڈ کوارٹر ہے۔"

"ہم پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ ایک سچا فوجی کبھی پیچھے نہیں ہٹتا، ہم آگے بڑھیں گے، ان کے ہیڈ کوارٹر میں جا پہنچیں

گے اور پھر ملک اور قوم کے لیے جو بھی ہو سکا، کر گزریں گے۔" انہوں نے پُر جوش لہجے میں کہا۔

"تو پھر چلیے۔" ظہور نے مسمی صورت بنا کر کہا۔

"کیا تم ڈر رہے ہو، لیکن آگے جانے کے علاوہ ہم جا بھی کہاں سکتے ہیں، آؤ۔" یہ کہتے ہی وہ بھی دوڑنے لگے، ظہور ان کے پیچھے تھا، وہ بے تحاشا دوڑ رہے تھے جب کہ فاصلہ صرف ڈیڑھ فرلانگ کا تھا، جلد ہی ختم ہو گیا اور انہیں ایک شاندار عمارت نظر آنے لگی، وہ پوری طرح روشن تھی۔

اس عمارت کو دیکھ کر وہ ٹھٹھک گئے، ان کے دوڑتے قدم رُک گئے۔

"ظہور! یہی اس ڈاکٹر طوفان کی تجربہ گاہ ہے۔" خان رحمان نے دانت پیس کر کہا۔

"سرکار! طوفان نہیں طومان۔" ظہور مسکرایا۔

"نہیں طوفان، وہ ہمارے لیے کسی طوفان سے بھی بدتر ثابت ہوا ہے، میں اسے طوفان ہی کہوں گا، آؤ اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں۔"

"لیکن سرکار! یہ عمارت تو پتھر کی بنی ہوئی لگتی ہے۔" ظہور جلدی سے بولا۔

"بکو مت! اگر یہ پتھر کی ہے تو ہم پتھر سے پتھر بجا دیں گے۔"

"جی ... بہت ... بہت بہتر ... چلیے۔" ظہور نے کانپ کر کہا۔

وہ آگے بڑھے، دور دور تک کسی انسان کا نام و نشان تک نہ تھا، یوں لگتا تھا جیسے پورا علاقہ غیر آباد ہو، خان رحمان حیران تھے کہ اس عمارت کے گرد محافظ کیوں موجود نہیں، آخر وہ چلتے ہوئے عمارت کے نزدیک پہنچ گئے، یہ دو منزلہ تھی، ان کے سامنے عمارت کی پشت تھی، صدر دروازے پر جانے کے لیے انہیں چکر کاٹنا پڑا، صدر دروازہ بند تھا اور اس کے علاوہ اندر جانے کا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔

"اب کیا کریں، اندر جانے کا تو کوئی راستہ نہیں ہے۔" خان رحمان نے جھلا کر کہا۔

"پشت کی طرف ایک پائپ نظر تو آیا تھا۔" ظہور نے کہا۔

"چلو اسے بھی دیکھ لیں۔"

دونوں واپس پشت کی طرف آئے، یہاں واقعی ایک لوہے کا پائپ چھت تک جا رہا تھا۔

"تم اس پر چڑھ سکو گے۔"

"نہیں جناب ! مجھے کبھی کسی پائپ پر چڑھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔" اس نے کہا۔
"اتفاق تو مجھے بھی نہیں ہوا، لیکن فوج میں تربیت کے دوران اس قسم کے کام ضرور کیے ہیں، چنانچہ صرف میں اس کے ذریعے چھت پر جاؤں گا اور نیچے اتر کر صدر دروازہ کھول دوں گا، تم ادھر ہی پہنچ جاؤ، پھر اس طرح انسپکٹر جمشید اور تینوں بچوں کے لیے بھی آسانی ہو جائے گی، آخر وہ بھی اس طرف ہی آئیں گے۔" انھوں نے کہا۔
"بہت خوب !" ظہور نے کہا اور انہیں پائپ پر چڑھتے دیکھ کر دروازے کی طرف چل پڑا، خان رحمان نے اپنے جوتے اتار کر کوٹ کی جیبوں میں ٹھونس لیے تھے اور اس وقت وہ خود کو انسپکٹر جمشید محسوس کر رہے تھے، ساتھ ہی وہ دعا بھی کر رہے تھے کہ وہ لوگ بھی جلد یہاں پہنچ جائیں۔
آخر وہ چھت تک پہنچنے میں کامیاب ہو ہی گئے، لیکن اتنی دیر میں ہی بڑی طرح تھک گئے تھے، وہ چھت پر لیٹ کر لمبے لمبے سانس لینے لگے، آخر ایک منٹ بعد اٹھے، اور چھت کا جائزہ لیا، چھت بالکل ہموار تھی، کسی

میدان کی طرح ، صرف ایک جگہ مینار کی شکل کا ایک ستون سا اوپر اُٹھ رہا تھا ، زینہ انہیں کہیں بھی دکھائی نہ دیا... اب تو وہ بہت پریشان ہوئے ، پوری چھت کا ایک چکر لگایا ، پھر اس ستون کے پاس آئے ، اس میں ایک طرف لوہے کی پتلی سی سیڑھی لگی نظر آئی ، وہ سیڑھی پر چڑھ کر ستون کے اوپر گئے تو پتا چلا ، اندر سے کھوکھلا ہے اور اندر کی طرف ہی سیڑھی لگی ہے ، ستون کی چوڑائی کافی تھی اور اس میں سے ایک آدمی نہایت آسانی سے اتر سکتا تھا ، انہوں نے اللہ کا نام لیا اور نیچے اترنے لگے۔

اُن کے پاؤں فرش پر لگے تو وہ ایک کمرے میں تھے اور اس کمرے میں کوئی دروازہ نہ تھا ، انہوں نے پریشان ہو کر اِدھر اُدھر دیکھا ، آخر واپس چھت پر جانے کا فیصلہ کیا ، لوہے کی سیڑھی کی طرف بڑھے... جونہی اسے ہاتھ لگایا ، ایک دل دوز چیخ ان کے منہ سے نکلی ، اُچھل کر کمرے کی دیوار سے ٹکرائے ، اور نیچے گر پڑے ، بے ہوش ہونے سے پہلے ان کے ذہن میں یہ بات آ چکی تھی کہ سیڑھی میں کرنٹ دوڑ گیا تھا۔

فاروق اور فرزانہ کے گویا پر لگ گئے تھے ، وہ
اُڑے جا رہے تھے ، فوراً ہی انہوں نے اپنے پیچھے
دوڑتے قدموں کی آواز سنی۔

"فاروق ! وہ لوگ ہمارے پیچھے آ رہے ہیں۔" فرزانہ
بولی۔

"تو آنے دو ، میں کیا کروں۔" فاروق نے دوڑتے ہوئے
بھی بُرا سا منہ بنایا۔

"کہیں ہم پکڑ نہ لیے جائیں ، وہ ہم پر فائر بھی کر سکتے
ہیں۔" فرزانہ بولی۔

"کرنے دو . . . غلامی کی زندگی سے تو موت ہی
بہتر ہے۔"

"لیکن ہم اپنے ملک کو غلامی سے نجات دلانے کی
کوشش کیوں نہ کریں ، بزدلوں کی طرح بھاگتے ہوئے
گولی کیوں کھائیں۔" فرزانہ جل کر بولی۔

"تم کیا کرنا چاہتی ہو۔"

"آؤ ، ان سے ٹکرا جائیں۔" فرزانہ بولی۔

"اس کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا ، فرزانہ . . . ابا جان نے

ہمیں بھاگنے کا موقع اس لیے نہیں دیا کہ ہم ان سے
بھڑ جائیں۔" فاروق بولا۔
"تو پھر انہوں نے موقع کس لیے دیا ہے۔"
"صرف اس لیے کہ ہم کسی طرح ڈاکٹر طوبان کی تجربہ گاہ
تک پہنچ جائیں، کیونکہ ان لوگوں کے خلاف اگر کچھ کیا
جا سکتا ہے تو صرف وہاں ..."
"ہوں ۔۔ تم ٹھیک ہی کہتے ہو، لیکن ہم انہیں پیچھے لگا
کر اگر عمارت تک گئے تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا ...
کیوں نہ انہیں چکر دے دیا جائے۔"
"ٹھیک ہے ... ہم پہلے سیدھے چلتے جائیں گے ...
اور جب یہ لوگ بہت پیچھے رہ جائیں گے تو عمارت کی
طرف مڑ جائیں گے۔" فاروق بولا۔
"بہت خوب! آج تمہارا دماغ مجھ سے بھی تیز چل
رہا ہے۔" فرزانہ خوش ہو کر بولی۔ "لیکن اس طرح ہمیں
اپنی رفتار اور بڑھانی ہوگی۔"
"تو ٹھیک ہے، بڑھا لیتے ہیں۔"
یہ کہتے ہی اور بھی تیزی سے دوڑنے لگی، فاروق
نے بھی اس کا ساتھ دیا اور دوڑتے قدموں کی آوازیں
دور ہونے لگیں۔

"رک جاؤ، ورنہ ہم گولی مار دیں گے۔" پیچھے سے کسی نے چلا کر کہا۔

"ان کی باتوں میں نہ آنا، یہ گولی نہیں ماریں گے۔" فرزانہ بولی۔

"مار بھی لیں گے تو ہمارا کیا بگڑ جائے گا، زیادہ سے زیادہ مر ہی جائیں گے نا۔" فاروق نے لاپروائی سے کہا۔

صرف تین منٹ بعد وہ تعاقب کرنے والوں سے اتنی دور نکل چکے تھے کہ وہ انہیں نظر نہیں آ رہے تھے، انہوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور پھر بائیں ہاتھ کی جھاڑیوں کی طرف جھپٹے، دوسرے ہی لمحے وہ ان میں پناہ ہی نہیں لے چکے تھے بلکہ ان کی اوٹ لے کر پیٹ کے بل ڈاکٹر طومان کی تجربہ گاہ کا رخ بھی کر چکے تھے۔

○

انسپکٹر جمشید اور محمود بہت دور نکل آئے تھے، ان کا پیچھا کرنے والے بہت پیچھے رہ گئے تھے، آخر انسپکٹر جمشید رک گئے، ایک درخت کی اوٹ میں کھڑے ہوتے ہوئے انہوں نے محمود سے کہا۔

"محمود، میں ان میں سے ایک آدمی کا شکار کرنا چاہتا
ہوں۔"
"جی۔ کیا فرمایا۔ آدمی کا شکار!" محمود نے حیران ہو کر
کہا۔
"ہاں! صرف ایک آدمی کا شکار، لیکن وہ کیپٹن شارل
نہیں ہونا چاہیے۔"
"کیا مطلب!" محمود چونکا۔
"مطلب ابھی نہیں بتاؤں گا، اب خاموشی سے تعاقب
کرنے والوں کا انتظار کرو، سب سے آگے کیپٹن شارل
ہی ہوگا، میں سب سے آخری آدمی پہ ہاتھ ڈالوں گا۔"
"آپ کا پروگرام کیا ہے۔"
"بس دیکھتے جاؤ، آخر ہمیں تجربہ گاہ میں داخل ہونے
کا طریقہ بھی تو معلوم ہونا چاہیے۔" انہوں نے کہا۔
جلد ہی تعاقب کرنے والے آتے نظر آئے، پھر وہ ان
کے سامنے سے گزرتے چلے گئے، لیکن جونہی آخری آدمی
ان کے نزدیک سے گزرا، انسپکٹر جمشید کسی چیتے کی پھرتی
سے اس پر جھپٹ پڑے، سب سے پہلے انہوں نے اس
کے منہ پر ہاتھ جمایا تھا، دوسرے لمحے انہوں نے اس کا
گلا دبوچ لیا اور گھسیٹتے ہوئے جھاڑیوں میں لے آئے۔

اس کا دم گھٹنے لگا۔ موت کو قریب پا کر اس کا بدن تھرتھرا اُٹھا، انسپکٹر جمشید نے اس کے منہ سے ہاتھ ہٹا لیا اور گلے پر دباؤ بھی قدرے کم کر دیا، پھر پوچھا۔

"ڈاکٹر طومان کی تجربہ گاہ میں کتنے آدمی موجود ہوتے ہیں۔"

"ڈاکٹر طومان کے سوا کوئی نہیں ہوتا، وہ تنہا ہی سب کچھ کنٹرول کرتا ہے۔" اس نے کہا۔

"عمارت میں داخل ہونے کا طریقہ کیا ہے۔"

"کیپٹن شارل جانتا ہے، مجھے نہیں معلوم۔" اس نے کہا۔

"تم لوگ سایوں میں کس طرح تبدیل ہو جاتے ہو؟" انہوں نے پوچھا۔

"ہم لوگ نہیں، صرف وہ جو تمہاری سرزمین پر بھیجے گئے ہیں۔" اس نے کہا۔

"چلو وہی سہی، وہ کس طرح سائے بن جاتے ہیں۔"

"یہ بات بھی مجھے معلوم نہیں۔" اس نے جواب دیا۔

"کیا تم جانتے ہو، میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہتا ہوں۔" انہوں نے عجیب سوال کیا۔

"میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"سنو۔۔ تم لوگوں نے ہماری سرزمین پر قبضہ کرنے کا ناپاک خواب دیکھا ہے، لہذا تمہیں زندہ چھوڑنا کسی طرح بھی مناسب نہیں۔" انہوں نے سرد آواز میں کہا۔

"نہیں نہیں، مجھے مت مار، یہ سارا منصوبہ تو ڈاکٹر طومان کا ہے۔"

"اس سے بھی نپٹ لوں گا، پہلے تم تو جاؤ۔"

"نہیں۔۔۔ نہیں۔" وہ خوفزدہ انداز میں چلایا۔

انسپکٹر جمشید نے اس کی ایک نہ سنی اور گلے پر دباؤ بڑھاتے چلے گئے، اس کی آنکھیں باہر کو ابل آئیں، محمود نے منہ دوسری طرف پھیر لیا، اس نے اپنے رونگٹے کھڑے ہوتے محسوس کیے، اور پھر اس نے آخری ہچکی کی آواز سنی، وہ مڑا تو انسپکٹر جمشید اٹھ کر کھڑے ہو چکے تھے، اس کے بعد انہوں نے لاش کو جھاڑیوں میں چھپایا اور ڈاکٹر طومان کی تجربہ گاہ کی طرف جانے کے لیے مڑے، لیکن پھر ٹھٹھک کر رک گئے۔

"کیا ہوا، ابا جان!"

"ہم اندر کس طرح داخل ہوں گے، اس نے بتایا ہے

کہ اندر داخل ہونے کا طریقہ صرف کیپٹن شارل جانتا ہے۔"

"پھر۔۔۔ اب کیا جائے۔" محمود نے پریشان ہو کر کہا۔

●

انسپکٹر جمشید سوچ میں ڈوب گئے، اچانک انھوں نے چٹکی بجائی، ان کے منہ سے نکلا۔

"وہ مارا۔"

دوسرے ہی لمحے وہ دوبارہ اس کی لاش کی طرف بڑھ رہے تھے اور محمود ان کے پیچھے تھا۔

پھنس گئے

"ہم لوگ بھی بہت خوش قسمت ہیں۔" فرزانہ نے سینے کے بل رینگتے ہوئے کہا۔

"ہاں! یہی کیا کم خوش قسمتی کی بات ہے کہ سینے کے بل رینگ رہے ہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"یہ بات نہیں، خوش قسمتی یہ ہے کہ ہم ان کے قبضے سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔" فرزانہ نے کہا۔

"ابھی ہم اسے خوش قسمتی نہیں کہہ سکتے۔" فاروق گنگنایا۔

"تو پھر کیا کہہ سکتے ہیں۔" فرزانہ نے جھلا کر کہا۔

"جب تک اپنی سرزمین پر نہیں پہنچ جاتے، اس وقت تک کیسے خوش قسمتی کہا جا سکتا ہے۔" اس نے کہا۔

"اس طرح اپنی سرزمین پر پہنچ کر کیا کریں گے، وہاں تو ساتھیوں نے ادھم مچا رکھا ہے۔" ڈاکٹر طوبان کا کانٹا نکال کر واپس گئے تو ہم اسے کامیابی کہہ سکیں گے۔"

"تم خوش قسمتی سے کامیابی تک پہنچ گئے۔" فاروق بولا۔

"اس لیے کہ خوش قسمتی اور کامیابی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔" فرزانہ مسکرائی۔

"میں تو آج تک یہی نہیں سمجھ سکا کہ یہ چولی دامن کا ساتھ کیا ہوتا ہے۔" فاروق نے کہا۔

"اُردو کمزور ہے نا تمہاری، اس لیے۔"

"آخر ہم اس طرح کب تک چلتے رہیں گے، کیوں نہ کھڑے ہو کر چلنے لگیں۔" فاروق کے لہجے میں اکتاہٹ تھی۔

"ابھی میرا ارادہ دشمن کی گولی کھانے کا نہیں ہے۔" فرزانہ نے کہا۔

"تو پھر کس کی گولی کھانے کا ارادہ ہے۔" فاروق نے پوچھا۔

"مٹھائی کی۔" اس نے کہا۔

"اوہ! میں تو بھول ہی گیا، میرے ساتھ ایک چھوٹا سا بچہ چل رہا ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"شکر ہے، تمہیں یاد آ گیا، لیکن تم نے اس کی انگلی نہیں پکڑی۔" فرزانہ جھلا اٹھی۔

"رینگتے ہوئے بچے کی انگلی نہیں پکڑی جاتی۔"

"اب باتیں ہی کیے جاؤ گے یا سامنے بھی دیکھو گے۔" فرزانہ نے کہا۔

"تم تو اس طرح کہہ رہی ہو جیسے باتیں صرف میں کر رہی

ہوں، اور تم بالکل خاموش ہو اور ہاں سامنے کیا چیز ہے۔ کیا کوئی شیر آ رہا ہے۔"

"شیر تو نہیں! مجھے تجربہ گاہ ضرور نظر آ رہی ہے۔"

"بہت خوب! یہ تو تمہیں بڑے کام کی چیز نظر آئی، جلدی سے اسے اپنے کیمرے میں محفوظ کر لو۔"

"میرے پاس کیمرہ نہیں ہے۔" اس نے کہا اور اگر تم مذاق سے باز نہ آئے تو میں تمہیں چھوڑ کر آگے بڑھ جاؤں گا۔" فرزانہ نے تنگ آ کر کہا۔

"تو کیا اس طرح میں خاموش ہو جاؤں گا۔" فاروق بولا۔

"میں کیا کہہ سکتی ہوں، یہ تو تمہیں ہی معلوم ہو گا۔"

"خدا جانے ابا جان کہاں ہوں گے۔" فاروق کے منہ سے نکلا۔

"جہاں ہوں گے، خیریت سے ہی ہوں گے۔"

"سوال یہ ہے کہ اب ہم کیا کریں؟" فاروق بولا۔

"کرنا کیا ہے، تجربہ گاہ کے اندر چلیں گے اور دیکھیں گے، اس سائنس دان کے بچے کو۔"

"ارے! اس کا باپ بھی سائنس دان تھا، یہ مجھے ابھی معلوم ہوا۔" فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"سنو۔۔۔ اس وقت ہم تین پارٹیوں میں بٹ گئے ہیں،

لہذا ہر پارٹی اس سائنس داں کے خلاف اپنی اپنی عقل کے مطابق کام کرے گی۔" محمود نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"لیکن مصیبت یہ ہے کہ ہم دونوں کے پاس عقل نام کی کوئی چیز سرے سے ہے ہی نہیں۔"

"یہ بات تم اپنے بارے میں بے شک کہہ سکتے ہو، میں خود کو عقل سے پیدل نہیں سمجھتی۔" فرزانہ نے جلدی سے کہا۔

"بہت خوب! میں سمجھ گیا، تم عقل سے سوار ہو اور غالباً گھوڑے سوار ہو، لیکن بھئی معاف کرنا، یہ زمانہ گھوڑے سواری کا نہیں ہے، اب تو لوگ راکٹوں میں بیٹھ کر چاند کا سفر کرتے ہیں، تم نے اگر گھوڑے پر بیٹھ کر چاند کی طرف جانے کی کوشش کی تو راستے میں ہی بوڑھی ہو جاؤ گی اور پھر تم اڑنے والا گھوڑا کہاں سے لاؤ گی، جواب میں تم یہ کہہ سکتی ہو کہ کسی جادوگر سے ادھار لے لو گی، لیکن افسوس آج کل جادوگر بھی ڈھونڈنے سے نہیں ملتے، ہاں جادو کی کہانیوں میں ضرور ملتے ہیں، کہو تو کسی جادو کی کہانی میں سے لا دوں۔" فاروق رکے بغیر کہتا چلا گیا۔

"ہانک چکے ادھر ادھر کی۔"

"تم کہتی ہو تو ابھی جاری رہتا ہوں۔"

"نہیں! میرا دماغ بالکل خالی ہو چکا ہے۔" فرزانہ نے

تلملا کر کہا۔

"اوہ! پھر تو تم سائنس دان کا مقابلہ نہیں کر سکو گی" فاروق نے افسوس زدہ لہجے میں کہا۔

"بس اب کھڑے ہو جاؤ۔" فرزانہ بولی۔

"بہت بہتر!" فاروق نے کہا اور کپڑے جھاڑتا ہوا اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔"

دونوں عمارت کے بالکل سامنے پہنچ چکے تھے، عمارت کی تمام کھڑکیاں روشن تھیں، پھر جونہی وہ صدر دروازے کی طرف بڑھے، ایک کڑک دار آواز نے انہیں بوکھلا دیا۔

"خبردار! ہاتھ اوپر اٹھا دو۔"

انہوں نے چونک کر دائیں طرف دیکھا، وہاں تین آدمی پستول ان کی طرف اٹھائے کھڑے تھے۔

"بہت خوب! دو تو ہاتھ آ گئے، باقی رہ گئے چار۔" کیپٹن شارل کی آواز سنائی دی اور پھر... ایک جھاڑی کے پیچھے سے اسے آتے دیکھا، انہوں نے چپ چاپ اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دیے۔

"بہت جلد باقی چار بھی یہیں آ جائیں گے، کیونکہ انسپکٹر جمشید اپنے بچوں کے بغیر نہیں جا سکتا، وہ ان کے لیے واپس ضرور آئے گا۔" کیپٹن شارل نے کہا۔

"لیکن کیپٹن ہم یہاں کب تک کھڑے رہیں، یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ چاروں پہلے ہی یہاں پہنچ چکے ہوں اور اندر داخل ہونے کے بعد پھنس گئے ہوں، یہ تجربہ گاہ بھی تو دشمنوں کے لیے چوہے دان ہے۔" اس کے ایک ساتھی نے کہا۔

"ہوں تم ٹھیک کہتے ہو، آؤ اندر چلیں، ڈاکٹر طوبان کو ساری بات بتا دیں گے، پھر جیسا وہ کہیں گے، کریں گے۔" کیپٹن نے کہا اور انہیں آگے چلنے کا اشارہ کیا۔

فاروق اور فرزانہ ہاتھ اوپر اٹھائے چلنے لگے، عمارت کے صدر دروازے پر پہنچ کر کیپٹن شارل نے ان سب کی نظر بچا کر کئی بٹنوں میں سے ایک بٹن دبایا، دبانے کا انداز بھی کچھ عجیب سا تھا، دروازہ خود بخود کھل گیا اور وہ اندر داخل ہو گئے، دروازے کے سامنے ایک لمبی سی روش تھی اور یہ سرخ روش اینٹوں کی بنی ہوئی تھی۔ روش کے اختتام پر سیڑھیاں نظر آئیں جو ایک برآمدے کی تھیں، ان سیڑھیوں پر چڑھنے کے بعد وہ برآمدے میں پہنچ گئے، ایک تیز آواز ان کے کانوں میں گھستی چلی گئی۔

"ٹھیک ہے کیپٹن! میں نے تمہیں دیکھ لیا ہے، اس لیے میں بٹن دبا رہا ہوں، جس کمرے کا دروازہ کھلتا نظر آئے، اسی میں چلے آؤ۔"

"بہت بہتر ڈاکٹر" کیپٹن شارل نے لرزتی آواز میں کہا۔
فوراً ہی ایک کمرے کا دروازہ کھلا اور وہ اس میں داخل ہو گئے، لیکن یہ کمرہ اندر سے خالی تھا، ان کے اندر داخل ہوتے ہی کمرے کا دروازہ خود بخود بند ہو گیا۔
"ہاں کیپٹن! اب بتاؤ کیا بات ہے۔" آواز آئی۔
"ڈاکٹر ایک اتفاق نے انسپکٹر جمشید اور اس کے پانچ ساتھیوں کو ہمارا قیدی بنا دیا تھا، پروفیسر باران نے انہیں غار میں قید کر دیا تھا، لیکن یہ لوگ غار کے سوراخ میں سے نکل کر ادھر آ گئے، آپ کا حکم ہے، کوئی دشمن ہماری سرزمین پر آ جائے تو اسے آپ کے حوالے کر دیا جائے، تاکہ آپ اسے اپنے تجربات میں استعمال کر سکیں، چنانچہ میں انہیں لے کر ادھر آ رہا تھا کہ ان لوگوں نے دھوکا دیا اور بھاگ نکلے، ہم نے ان میں سے دو کو تو گرفتار کر لیا، باقی چار یہاں نہیں پہنچے، لیکن وہ انہیں چھڑانے کے چکر میں یہاں ضرور آ جائیں گے۔" کیپٹن شارل نے بتایا۔
"بہت خوب! تمہیں یہ سن کر خوشی ہو گی کہ ان میں سے دو یہاں پہلے ہی آ پہنچے ہیں اور اس وقت چھ بجے دان میں بند کیے جا چکے ہیں۔"
آواز پھر آئی اور دیوار میں ایک خلا پیدا ہو گیا،
انہیں سیڑھیاں اوپر جاتی نظر آئیں، وہ ان پر چڑھنے لگے، سیڑھیاں

ختم ہوتے ہی انہیں ایک بہت بڑا دروازہ نظر آیا، وہ دروازے پر پہنچے تو وہ خود بخود کھلتا چلا گیا، یہ ایک تکونا سا کمرہ تھا اور بہت لمبا چوڑا تھا، اس کے آخری سرے پر سفید بالوں والا ایک بوڑھا آدمی بہت بھاری اور گدے دار کرسی میں دھنسا ہوا تھا، اس کے سامنے کوئی میز نہیں تھی، البتہ کمرے کی طرف ٹیلی ویژن کی قسم کی سکرینیں لگی تھیں، دائیں طرف ٹیوبیں، ٹرانسسٹرز اور مختلف رنگوں کے بلب تختوں میں لگے تھے، یہ تختے بھی دیوار میں لگے ہوئے تھے، بائیں طرف ایک عجیب و غریب قسم کی مشین لگی تھی، اس مشین میں ایک اتنا بڑا خانہ بھی تھا، جس میں ایک آدمی آسانی سے کھڑا ہو سکے۔

ابھی وہ کمرے کے اندر پہنچے ہی تھے کہ دروازہ بند ہو گیا، ساتھ ہی ہال کی ایک دیوار میں ایک اور دروازہ نمودار ہوا۔

فاروق اور فرزانہ نے دیکھا، اس دروازے میں سے خان رحمان اور ظہور اندر داخل ہو رہے تھے۔

سایہ مرتا ہے

ان پہ نظر پڑتے ہی وہ خوش ہو گئے، اس کا مطلب یہ تھا کہ انسپکٹر جمشید اور محمود ان کے ہاتھ نہیں لگ سکے تھے، اور یہ ایک بہت ہی حوصلہ افزا بات تھی، دوسری طرف خان رحمان اور ظہور کی نظریں ان پہ پڑیں تو وہ زور سے چونکے۔

"تو تم بھی یہاں آ پہنچے۔" خان رحمان کے منہ سے نکلا۔

"ہاں انکل!" فاروق نے مسمسی صورت بنا کر کہا۔

"کیا تمہیں بھی بجلی کا جھٹکا لگا تھا۔" خان رحمان نے پوچھا۔

"جی... بجلی کا جھٹکا... کیا مطلب؟" فرزانہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

"میں نے لوہے کے زینے پہ چڑھنے کی کوشش کی تو بجلی کا کرنٹ لگا، حالانکہ کچھ ہی دیر پہلے میں اس کے ذریعے نیچے اترا تھا۔" انہوں نے بتایا اور ہاتھ ملنے لگے، "شاید ابھی تک جسم بول رہی تھی۔"

"ہم تو ابھی ابھی آئے ہیں۔" فرزانہ بولی۔

" بلکہ لائے گئے ہیں۔"

" کیپٹن! مجھے انسپکٹر جمشید کا انتظار ہے، کیا وہ یہاں نہیں آئے گا۔"

" اسے آنا ہی ہوگا۔" کیپٹن بولا۔

" اتنے وہ آتے ہیں، آپ ہمیں یہ بتا دیں، انسان سایوں میں کس طرح تقسیم ہو جاتے ہیں۔" فرزانہ نے جلدی سے کہا۔

" ضرور، ضرور... کیوں نہیں... یہ سب کچھ ایک خاص سکیم کے تحت ہوتا ہے، در اصل ہر انسان کے جسم سے کچھ شعاعیں ہر وقت خارج ہوتی رہتی ہیں، میں نے یہ تجربہ کیا کہ اگر ان شعاعوں کو کسی ذریعے سے جسم میں جذب کر دیا جائے تو کیا ہوگا، پہلا تجربہ ایک بندر پہ کیا، سامنے لگی ہوئی مشین تو تم دیکھ ہی رہے ہو، یہ شعاعیں جذب کرنے کے لیے بنائی گئی ہے، میں نے بندر کو مشین میں بند کر کے اس کے جسم سے خارج ہونے والی شعاعیں جسم میں ہی جذب کر دیں، مشین کو کھولا تو بندر غائب تھا، لیکن بندر کا سایہ میرے سامنے موجود تھا، پھر سایہ حرکت کرتا نظر آیا، میں ڈر گیا اور سائے پر فائر کیا، لیکن اس کا کچھ بھی نہ بگڑا، میں نے سائے کو پھر مشین میں داخل کر دیا اور شعاعیں لوٹانے والا بٹن دبایا تو بندر پھر نظر آنے لگا، میں بہت حیران ہوا، دیکھنا تو صرف یہ چاہتا تھا،

کرشعاعیں جذب کر دی جائیں تو کیا ہوتا ہے اور معلوم دو باتیں ہو گئیں ؛ ایک تو یہ کہ انسان غائب ہو جاتا ہے اور اس کا سایہ رہ جاتا ہے ، دوسری یہ کہ سائے پر گولی اثر نہیں کرتی ، اب میں نے ایک انسان پر تجربہ کیا ، سائے سے باتیں کرنے پر پتا چلا کہ وہ نہ صرف ہل جل سکتا ہے ، بلکہ باتیں بھی کر سکتا ہے ، میں نے اس پر بھی فائر کرکے دیکھا ، لیکن اس کا کچھ نہ بگڑا ۔ اس سے مختلف قسم کے کام کرائے تو وہ اس نے فوراً کر ڈالے اور یہاں سے میں نے ان سایوں کے ذریعے تمہارے ملک پر قبضہ کرنے کا خواب دیکھا ، میں نے اپنا تجربہ حکام کو دکھایا ، انھوں نے بہت پسند کیا اور اس پر مزید تجربات کرنے کی اجازت دے دی ، چنانچہ میں ایک ایسا آلہ ایجاد کرنے میں کامیاب ہو گیا جو کسی انسان کے جسم میں آپریشن کے ذریعے فٹ کر دیا جاتا ہے اور وہ جب چاہے ، سائے میں تبدیل ہو سکتا ہے ، بس اس آلے میں لگا بٹن دبانا پڑتا ہے ۔" ڈاکٹر طوبان کہتا چلا گیا ۔

"انسانی جسم میں بٹن ؟" فاروق کے منہ سے نکلا ۔

"ہاں ! اس آلے کو کچھ اس طرح جسم کے اندر سیٹ کیا جاتا ہے کہ بٹن اندر سے بھی دبایا جا سکتا ہے ۔" ڈاکٹر بولا ۔

"لیکن آلے کو باہر ہی کیوں نہیں لگا دیا جاتا ۔" فرزانہ نے

حیران ہو کر پوچھا۔

"وہ جسم کی گرمی سے کام کرتا ہے۔" ڈاکٹر طوبان نے کہا۔

"حیرت انگیز ایجاد ہے، داد دینے کو جی چاہتا ہے۔" فرزانہ نے کہا۔

"تو پھر دیتی کیوں نہیں داد... لے لیجیے ڈاکٹر صاحب داد۔" فاروق نے مذاق اڑانے والے لہجے میں کہا۔

"اور سایہ جب چاہے اپنی اصل حالت میں آ سکتا ہے۔"

"ہاں بٹن دباتے ہی وہ نظر آنے لگتا ہے۔"

"کمال ہے آخر اس پر گولی کیوں اثر نہیں کرتی۔"

"اس کی وجہ صرف ان شعاعوں کا جذب ہونا ہے، شعاعیں انسانی جسم میں سے خارج ہونا بند ہو جاتی ہیں، یہ شعاعیں ہی گولیوں کے مقابلے میں دفاع کرتی ہیں۔" اس نے کہا۔

"اوہ! اب ہم سمجھ گئے۔"

فرزانہ کے الفاظ ختم ہوتے ہی تھے کہ ایک نیلے رنگ کا بلب جلنے اور بجھنے لگا، ڈاکٹر طوبان نے فوراً ایک بٹن دبایا تو درمیان والی سکرین پر انہیں محمود نظر آیا، محمود عمارت کے دروازے پر پہنچ چکا تھا اور کھلے دروازے میں سے اندر داخل ہو رہا تھا۔

"لو بھئی، تمہارا ایک اور ساتھی بھی آ پہنچا۔" پروفیسر نے

مسکرا کر کہا۔

فاروق اور فرزانہ بے چین ہو گئے، ان کے ذہنوں میں ایک ہی سوال گونج رہا تھا، ابا جان کہاں رہ گئے، وہ تو محمود کے ساتھ تھے، لیکن اس سوال کا ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا، اتنے میں ڈاکٹر نے ایک اور بٹن دبایا اور انہوں نے سکرین پہ ایک دروازہ کھلتے دیکھا، پھر محمود اس میں داخل ہوتا نظر آیا۔

"اب وہ سیدھا یہاں چلا آئے گا۔"

یہ کہتے ہوئے ڈاکٹر نے سکرین کا سوئچ آف کر دیا اور اس کے ساتھ ہی محمود اندر داخل ہوا، اس کی نظر ان پہ پڑی تو وہ دھک سے رہ گیا۔

"ہائیں! تم یہاں مجھ سے پہلے ہی پہنچ گئے۔" اس کے منہ سے نکلا۔

"تم نے کب کہا تھا کہ تم سے پہلے یہاں نہ پہنچیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"ہاں واقعی! یہ تو میں نے نہیں کہا تھا۔"

"ابا جان کہاں ہیں۔" فرزانہ نے بے تاب ہو کر پوچھا۔

"پتا نہیں۔۔۔ وہ تو مجھ سے پہلے ہی ادھر آ چکے ہیں۔" محمود نے جلدی سے کہا۔

"اوہ! لیکن وہ یہاں نہیں پہنچے۔" فرزانہ نے بوکھلا کر کہا۔

"یا اللہ رحم!" فاروق نے یہ کہہ کر آسمان کی طرف دیکھنے کے لیے سر اوپر اٹھایا مگر وہ تو ایک تکونے سے کمرے میں کھڑے تھے اور ان کے سروں پر چھت تھی۔

"بہت خوب! اس کا مطلب ہے، انسپکٹر جمشید بھی کہیں آس پاس ہی موجود ہے، کیپٹن، یہ شخص ہاتھ آ گئے، تو مزہ آ جائے۔" ڈاکٹر طوفان نے کہا۔

"اب وہ بے چارہ جائے گا بھی کہاں۔ یہاں گھر کر تو رہ گیا ہے۔ ادھر ہی آئے گا۔" کیپٹن بولا۔

"ہوں! نظر تو یہی آتا ہے۔"

"ایک بات سمجھ میں نہیں آئی، مجھے امید ہے کہ بہت نا پسند کرو گے۔" فاروق نے ڈاکٹر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"پوچھو، ضرور بتاؤں گا۔"

"ابھی تم نے کہا تھا، ہمیں بھی سائے میں تبدیل کر دو گے، کیا سایوں میں تبدیل ہو کر ہم تمہارے لیے مصیبت نہیں بن جائیں گے۔"

"نہیں، میں پہلے تمہارے ذہن کی پلیٹ صاف کروں گا، اور پھر اس ملک کی وفاداری ٹیپ کروں گا، تب تمہیں سایوں میں تبدیل کروں گا اور اس وقت تم میرے بہت

کام کرو گے۔" وہ کہتا چلا گیا۔

"ہم اسے باہر جا کر کیوں نہ تلاش کریں ڈاکٹر!" کیپٹن نے کہا۔

"ضرور جاؤ۔ ۔ ۔ اور ان پانچوں کو یہیں چھوڑ جاؤں۔" "سنا ہے، یہ بچے بہت خطرناک ہیں۔" کیپٹن شارل نے کہا۔

"فکر نہ کرو، میں یہاں بیٹھے بیٹھے ان سب کو ختم کر سکتا ہوں۔" اس نے کہا۔

"ٹھہرو۔ ۔ ۔ ہمیں بھی ساتھ لے چلو۔" فاروق نے سوچے سمجھے بغیر کہا۔

"کیا مطلب!" شارل چونکا۔

"مطلب یہ کہ اگر تم ہمیں ساتھ لے کر گئے تو ہمارے ابا جان کو ہماری خوشبو آ جائے گی اور وہ تیر کی طرح ہماری طرف آئیں گے، بس اس وقت تم انہیں گرفتار کر لینا۔" فاروق نے کہا اور محمود، فرزانہ اور خان رحمان مسکرانے لگے، ظہور کا تو ویسے ہی دم نکلا جا رہا تھا، وہ بے چارہ کیا ہنستا۔

"تم لوگ یہیں ٹھہرو گے۔" شارل نے کہا۔

"تاکہ ڈاکٹر طوفان ہمیں سایوں میں تبدیل کر دے۔" فاروق

بولا۔

"طوفان نہیں، طومان۔" شارل نے اسے بُری طرح گھورا۔

"کیپٹن! آپ بے کار ہی ان کی تلاش میں جا رہے ہیں۔" فرزانہ نے اچانک کہا، در اصل وہ انہیں روکے رکھنا چاہتے تھے۔

"بے کار۔۔۔ کیا مطلب؟" شارل چونکا۔

"اس لیے کہ ہمارے ابا جان تو کب کے یہاں آ بھی چکے ہیں، وہ تمہیں باہر کہاں ملیں گے۔" فرزانہ نے مسکرا کر کہا۔

"بکو مت۔۔۔ اور بے پر کی نہ اڑاؤ۔۔۔ اس عمارت میں کوئی شخص بھی ڈاکٹر صاحب کی نظروں سے چھپ کر نہیں آ سکتا۔"

"اب یہ بے چارگی اس عمارت میں پر کی کہاں سے اڑا سکتے۔" فاروق نے چھت کی طرف دیکھ کر کہا۔

"بات در اصل یہ ہے کہ۔۔۔ تم انہیں نہیں جانتے، وہ بھی کسی سائے سے کم نہیں ہیں اور جب وہ دوسروں کی نظروں سے چھپ کر کسی عمارت میں داخل ہونا چاہیں تو انہیں کوئی لاکھ کوشش کے باوجود بھی نہیں دیکھ سکتا۔" فرزانہ کہتی چلی گئی۔

"لیکن اس عمارت کے اندر اور باہر ہر جگہ ٹیلی ویژن کیمرے

نصب ہیں ۔ شارل نے کہا۔

"تو کیا ڈاکٹر چوبیں گھنٹے جاگتا رہتا ہے۔"

"نہیں، یہ وقت پر سوتے ہیں اور وقت پہ جاگتے ہیں، لیکن سوتے میں اگر کوئی عمارت میں داخل ہونے کی کوشش کرے تو ایک الارم بج اُٹھتا ہے۔"

"اوہ! تو یہ بات ہے، خیر، میں تم لوگوں سے شرط لگا سکتی ہوں کہ ہمارے ابا جان یہیں موجود ہیں۔"

"تم شاید پاگل ہوگئی ہو جو یہ بات کر رہی ہو۔" شارل غرایا۔

"کیپٹن! ان کی باتوں میں نہ آؤ، یہ تمہارا اور میرا وقت ضائع کرنا چاہتے ہیں، تم جاؤ اور انسپکٹر جمشید کو پکڑ لاؤ۔" ڈاکٹر طوبان نے تنگ آ کر کہا۔

"کیپٹن کے جانے سے پہلے آپ ہمیں صرف ایک بات اور بتا دیں۔" فاروق نے کہا۔

"کیوں! کیا تم کیپٹن کے جانے کے ساتھ ہی گونگے ہو جاؤ گے۔" فرزانہ جلدی سے بولی۔

"تم چپ رہو اور مجھے بات کرنے دو۔"

"بھلا میں کیوں چپ رہوں، کیا میں نے اس عمارت میں سے کوئی چیز چرا لی ہے۔" فرزانہ نے منہ بنا کر

کہا۔ پھر ڈاکٹر کی طرف مڑی۔

"میں یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ ۔ ۔ ۔ یہاں تک کہہ کر وہ رکی اور پھر کہنے لگی۔

"کہ جن لوگوں کو تم نے ہمارے ملک میں آلے فٹ کر کے بھیج دیا ہے، آخر ان پر قابو کس طرح پایا جا سکتا ہے۔"

"ایکس شعاعیں ڈالنے سے اس آلے کا کام رک جاتا ہے اور ۔ ۔ ۔" ڈاکٹر کہتے کہتے رک گیا اور پھر چونک کر بولا۔

"مگر تم یہ سب کیوں پوچھ رہی ہو، تمہیں ان باتوں سے اب کیا حاصل ہو سکتا ہے۔"

"ہم نے آج تک یہ نہیں سوچا کہ کسی بھی قسم کی معلومات سے ہمیں کس وقت فائدہ پہنچے گا، پہنچ بھی سکے گا یا نہیں، ہمارے نبی کریم حضرت محمد صلعم نے فرمایا ہے، زندگی کے آخری سانس تک علم حاصل کرو۔" فرزانہ نے مسکرا کر کہا۔

"ٹھیک ہے، اب میں تمہیں سب کچھ بتا چکا ہوں۔ کیپٹن شارل تم جاؤ اور جس قدر جلد ممکن ہو سکے، انسپکٹر جمشید کو پکڑ کر یہاں لے آؤ، پھر میں اس کے ذہن کی پلیٹ بھی صاف کر کے اسے سانچے میں تبدیل کر دوں گا۔"

"کیا تم نے خود بھی سانچے میں تبدیل ہو کر دیکھا ہے۔"

"ہاں سب سے پہلے کامیاب تجربے کے بعد میں نے خود پر

ہی یہ تجربہ کیا تھا اور بڑا لطف آیا تھا۔ اپنے آپ کو سائے کے روپ میں دیکھنا کتنا عجیب لگتا ہے، فکر نہ کرو۔ یہ لطف تم بھی حاصل کرو گے۔" ڈاکٹر طوبان نے کہا۔

کیپٹن جانے کے لیے تکو نے کمرے کے اس دروازے کی طرف چل پڑا، جس سے باہر جا سکتے تھے، اس کے ساتھی بھی اس کے پیچھے چلے، لیکن ان میں سے ایک نے اپنی جگہ حرکت نہ کی۔ ایک ساتھی کے منہ سے نکلا۔

"آؤ رابرٹ، تم کیوں رک گئے ہو۔"

"تم لوگ جاؤ، میں یہیں ٹھہروں گا۔" رابرٹ کے منہ سے نکلا۔

"کیوں ___ تم یہاں ٹھہر کر کیا کرو گے۔" کیپٹن شارل نے مڑتے ہوئے کہا۔

"آپ ہی نے تو کہا ہے، یہ بچے بہت خطرناک ہیں، میں ڈاکٹر صاحب کی حفاظت کے پیش نظر یہاں ٹھہروں گا۔"

اس کا جملہ ختم ہوا ہی تھا کہ ڈاکٹر طوبان کے منہ سے قہقہہ ابل پڑا۔ قہقہہ اتنا بلند اور طویل تھا کہ کمرے کی دیواریں جھنجھنا اٹھیں، اس پہ بھی قہقہے نے ختم ہونے کا نام نہ لیا، آخر خدا خدا کرکے آواز بند ہوئی، اسی وقت فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"بھئی واہ! میں نے آج تک اتنا لمبا اور شان دار قہقہہ نہیں سنا۔"

"بے وقوف! تم نہیں جانتے، میں اس جگہ کس قدر محفوظ ہوں، یہ لڑکے حرکت کرتے ہی سیکڑوں فٹ گہرے غار میں جا گریں گے، یہ عمارت ایک غار کے اوپر بنائی گئی ہے اور جس جگہ یہ کھڑے ہیں، اس جگہ سے چوکور خلا صرف ایک بٹن دبانے پر کھل سکتا ہے اور اس بٹن پر میری انگلی اس وقت بھی ہے، لہٰذا تم میری فکر نہ کرو اور ان کے ساتھ جاؤ۔"

اس کے ان الفاظ کے ساتھ ہی محمود، فاروق اور فرزانہ نے اپنی جگہ سے چھلانگیں لگا دیں اور ہال کی دیوار کے پاس پہنچ گئے، جہاں بھاری پردے لٹک رہے تھے، انہوں نے ان پردوں کو مضبوطی سے پکڑ لیا، ڈاکٹر طوفان نے انہیں گھور کر دیکھا۔

"اور اب تم کیا کرو گے۔" محمود نے مذاق اڑانے والے لہجے میں کہا، اس کے ساتھ ہی خان رحمان اور ظہور بھی چھلانگ لگا کر ان کے قریب پہنچ گئے۔

"تم لوگ یہاں بھی میرے ہاتھ سے محفوظ نہیں ہو، میرے بائیں ہاتھ میں گرز دیکھ رہے ہو نا۔ ۔ ۔ اس کے دستے پر ایک بٹن لگا ہے اور اس بٹن پر میرا انگوٹھا ہے، انگوٹھا دبانے

کی دیر ہے، اس میں سے ایسی شعاعیں نکلنے لگیں گی کہ تمہارے بدن میں آگ سی لگ جائے گی اور تم فرش پہ گر کر تڑپتے نظر آؤ گے۔"

"بھئی واہ! کتنے زبردست انتظامات کر رکھے ہیں۔" فاروق چہکا۔

"خاموش! جی چاہتا ہے، تم تینوں کو شوٹ کر دوں۔" رابرٹ نے غرا کر کہا اور پھر طیش کے عالم میں پستول نکال کر نالی کا رخ ان کی طرف کر دیا، انگلی ٹریگر پہ دباؤ ڈالتی نظر آئی۔ انہیں یوں لگا، پستول اب چلا کہ اب چلا۔

"ٹھہرو... یہ کیا کر رہے ہو، انہیں گولی کا نشانہ نہیں بنایا جائے گا، یہ سائے بنیں گے۔"

"لیکن یہ آپ کا مذاق اڑا رہے ہیں۔" رابرٹ نے چلّا کر کہا، پستول اب تک اس کے ہاتھ میں تھا اور غصے کی وجہ سے وہ کانپ رہا تھا۔

"رابرٹ! تمہیں کیا ہو گیا ہے۔" کیپٹن شاسل نے جھلا کر کہا۔

"کیپ... ٹن۔" رابرٹ نے کانپ کر کہا اور اس کی طرف مڑا... لیکن مڑتے مڑتے اس کی انگلی ٹریگر پہ دب گئی۔

ایک خوف ناک دھماکا کمرے میں گونجا اور ڈاکٹر طوبان کے ہاتھ میں پکڑا ہوا گرنیڈ نکل کر فرش پہ جا گرا، اس کے ہاتھ سے خون بہنے لگا، محمود نے ایک چھلانگ بلا کی تیزی سے لگائی، اور گرنیڈ پہ جا پڑا، دوسرے ہی لمحے گرنیڈ اس کے ہاتھ میں نظر آیا۔

"خبردار! سب لوگ ہاتھ اوپر اٹھا دو، ورنہ میں اس گرنیڈ کا بٹن دبا دوں گا۔"

"کتے! تو نے یہ کیا کیا۔" ڈاکٹر طوبان پوری قوت سے دھاڑا۔

"غغ ... غلطی ... ہو گئی۔" رابرٹ نے تھر تھر کانپتے ہوئے کہا۔

"ڈاکٹر تم نے ہاتھ اوپر نہیں اٹھایا، تمہارے ایک ہاتھ سے خون بہہ رہا ہے، چلو دوسرا اوپر اٹھا دو، ایک نیچے ہی رہنے دو، تاکہ خون آسانی سے بہہ سکے۔" محمود نے مسکرا کر کہا۔

پروفیسر کا ایک ہاتھ اوپر اٹھتا چلا گیا، محمود نے کیپٹن شارل پہ ایک نظر ڈالی اور پھر ڈاکٹر سے بولا۔

"اپنی کرسی سے اٹھ جاؤ اور کیپٹن شارل کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ، ورنہ میرا انگوٹھا دب جائے گا۔"

ڈاکٹر تھر تھر کانپتے ہوئے اٹھا اور شارل کے پاس جا

کھڑا ہوا۔

"رابرٹ ... کیا تم اندھے ہو گئے ہو، تمہارے ہاتھ میں پستول ہے، اس لڑکے پہ فائر کیوں نہیں کرتے۔" کیپٹن شارل نے گرج کر کہا۔

"اوہ ہاں! یہ تو مجھے خیال ہی نہیں رہا۔"

یہ کہتے ہوئے وہ محمود کی طرف مڑا۔

"محمود ہوشیار!" فرزانہ چلائی۔

"فکر نہ کرو، میں اپنی زندگی میں اتنا ہوشیار نہیں ہوا ہوں گا، جتنا اس وقت ہوں، کیونکہ ہم اس وقت اپنے ملک میں نہیں، دشمن کی سرزمین پہ لڑ رہے ہیں، مسٹر رابرٹ ... تم پستول چلانے کا خیال دل سے نکال دو، اور جا کر ڈاکٹر کی کرسی پہ بیٹھ جاؤ۔"

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"تم خاموش رہو اور دشمنوں پہ نظر رکھو۔" محمود کی آواز میں نہ جانے کیا تھا کہ فاروق خوف سے کانپ اٹھا، اس نے محمود کو اتنے خوفناک لہجے میں تو کبھی بات کرتے نہیں سنا تھا، فرزانہ نے بھی محمود کو عجیب سی نظروں سے دیکھا اور ساکت رہ گئی، اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ محمود کو ہو کیا گیا ہے اور اس کا پروگرام کیا ہے۔

رابرٹ ڈاکٹر کی کرسی پہ جا کر بیٹھ گیا، پستول اب تک اس کے ہاتھ میں تھا۔

"اب تم لوگ اس چوکور پہ آ کر کھڑے ہو جاؤ، جس پر تھوڑی دیر پہلے ہم کھڑے تھے اور جس کے نیچے تمہارے بیان کے مطابق ایک سیکڑوں فٹ گہرا غار ہے، کیا اس کی گہرائی پانی تک ہے۔"

"ہاں!" ڈاکٹر طوبان کے منہ سے یوں نکلا جیسے خواب میں بولا ہو، شاید اس کا یا پلٹ کی اسے خواب میں بھی امید نہیں تھی۔

"اور اس کے اندر کیڑے بھی ہوں گے۔" محمود نے پوچھا۔

"ہاں... بہت بڑے بڑے سانپ، کن کھجورے موجود ہیں۔" اس نے کہا۔

"اور تم نے اس غار کے اوپر یہ عمارت اسی لیے تعمیر کروائی تھی کہ ہمارے ملک کے لوگوں کو اس کے اندر غائب کر سکو۔"

"ہاں!"

"لیکن اب تم سب لوگ اس غار کی تہہ میں جا کر رہو گے، وہاں سانپوں اور کن کھجوروں کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلنا... نہ جانے تم لوگ دوسروں کی آزادی چھیننے کے لیے کیوں مرے

جاتے ہو، دوسروں کو آزادی سے جینے کا حق کیوں نہیں دیتے،
اب تم بتاؤ، اس گرز کی شعاعوں سے مرنا پسند کرو گے، یا
گڑھے میں گر کر۔" اس نے خوف ناک لہجے میں کہا۔

"رابرٹ... تمہیں کیا ہو گیا ہے، میری کرسی پر بائیں طرف
لگا زرد بٹن دبا دو، یہ سب لوگ ابھی تہس نہس ہو جائیں گے۔"
ڈاکٹر نے جھنجلا کر کہا۔

"اور ان کے ساتھ میں اور یہ سب بھی ختم ہو جائیں گے،
صرف تم باقی رہ جاؤ گے، کیوں ٹھیک ہے نا۔" رابرٹ نے
مسکرا کر کہا، پھر بدلی ہوئی آواز میں بولا۔

"محمود! وقت نہ ضائع کرو، ان لوگوں سے جلد از جلد چھٹکارا
حاصل کر کے ہمیں نکل جانا چاہیے، میرے پستول میں صرف
ایک گولی ہے، ورنہ اس وقت تک میں ان پر فائرنگ کر
چکا ہوتا۔"

"اُف خدا۔ یہ آپ ہیں۔" فرزانہ کے منہ سے کپکپاتی ہوئی
آواز میں نکلا۔

"وہ مارا۔ ابا جان زندہ باد۔" فاروق چلا اٹھا۔

"کیا... تم... تم... انسپکٹر جمشید ہو۔" ڈاکٹر نے
ہکلا کر کہا۔

"ہاں! اگر میں رابرٹ ہوتا تو تمہارے ہاتھ سے خون نہ بہہ

رہا ہوتا۔ انسپکٹر جمشید بولے۔ اب فرزانہ نے اپنے چہرے پر جھکا ہوا ہیٹ اٹھا دیا تھا اور پلاسٹک کے باریک باریک ٹکڑے چہرے پر سے اتار دیے تھے۔ لو ڈاکٹر تم تو جاؤ۔ یہ کہتے ہیں محمود نے گرز پر لگا بٹن دبا دیا، لیکن اس سے پہلے ڈاکٹر اپنے جسم میں لگے آلے کا بٹن دبا چکا تھا، وہ یک لخت ان کے سامنے سے غائب ہو گیا، ساتھ ہی ایک باریک چیخ دیر تک ان کے کانوں میں گونجتی رہی، ڈاکٹر کے ساتھ ہی اس کے ساتھی بھی غار کی تہہ میں جا پہنچے تھے اور یہ سب کچھ ایک ہی سیکنڈ کے اندر ہوا تھا۔ ادھر وہ گرے تھے ادھر محمود کی انگلی کا دباؤ بٹن پر پڑا تھا اور اس میں سے شعاعیں نکلی تھیں۔ اس گرز سے یہ مشین بھی جلا دو اور اس کے بعد یہاں سے نکل چلو، یہ گرز ہمارے کام آئے گا، لیکن ہمیں کوشش کرنی ہے کہ کسی سائے سے ملاقات نہ ہو، اس وقت تک جب تک کہ ہم ایکس شعاعوں کا بندوبست نہ کر لیں اور اس کے لیے ہم اپنے شہر جاتے ہی پروفیسر داؤد کو فون کر دیں گیں۔ اب مزید سائے تو بنیں گیں نہیں، کیونکہ یہ فارمولا صرف ڈاکٹر طومان کو معلوم تھا اور اسکی موت کے ساتھ ہی فارمولا بھی موت کی گود میں جا سویا ہے، جلدی کرو شہر میں جانے کیا حال ہوگا۔ محمود نے گرز کا رخ مشینوں کی طرف کر دیا اور انسپکٹر جمشید وہاں سے اٹھ کر ان کے پاس آ گئے۔ اب اس عمارت کے دروازے انھیں نہیں روک سکتے تھے، ان کے پاس گرز تھا اور وہ ان کی مدد سے ان دروازوں کو کھول سکتے تھے، کیونکہ ابھی ابھی محمود نے جب گرز دبایا تھا تو اس میں سے شعاعیں نکلی تھیں، جنھوں نے اس تکونے کمرے کی دیوار میں سوراخ کر دیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اس تباہ حال تجربہ گاہ سے باہر نکل رہے تھے، محمود کے ہاتھ میں اب بھی گرز تھا، جب کہ دوسروں

نے پستول سنبھال لیے تھے۔ وہ بھی تو نہیں پروفیسر باران سے بھی نپٹنا ہے،
فرزانہ نے چونک کر کہا۔ اس وقت ہم پہاڑوں میں اسے نہیں ڈھونڈ سکیں گیں کیونکہ
اس غار کا وہ دروازہ ہم نے نہیں دیکھا، جس سے ہمیں اندر لے جایا گیا تھا اور نہ
جانے وہ سوراخ بھی کہاں ہوگا، جس سے ہم نکلے تھے، اب تو ہم سیدھے اپنے
شہر کا رخ کریں گے اور راستے کی ہر رکاوٹ کو گراتے چلے جائیں گے کیونکہ اب
ہمارے پاس گرز بھی موجود ہے، بس ہمیں پروفیسر داؤد سے ملاقات کرنے سے
پہلے ان سایوں سے بچتے رہنا چاہیے، انسپکٹر جمشید کہتے چلے گئے۔ لیکن بعد میں
پروفیسر باران ہاتھ نہیں آئیں گا، وہ فرار ہو جائے گا۔ فرزانہ بولی۔ تو اس سے ہمیں
کیا فرق پڑ جائے گا، فرار ہوتا ہے تو ہو جائے ہمیں اصل خطرہ ڈاکٹر طوبان سے تھا
اور وہ ختم ہو چکا ہے، اب یہ لوگ مزید سائے نہیں بنا سکیں گے، اور انہیں ختم کرنے
کی ترکیب بھی ہمیں معلوم ہوگئی ہے، اس لیے باران کی فکر چھوڑ دو۔ بہت اچھا،
چھوڑ دی، فرزانہ نے مسکرا کر کہا پہاڑوں کے درمیان سے ہوتے اور راستے میں
ملنے والے دشمنوں کا صفایا کرتے وہ اپنے وطن کی طرف بڑھنے لگے۔ خان
رحمان اور ظہور بالکل خاموش تھے، انسپکٹر جمشید سے رہا نہ گیا۔ عبدالرحمن تمہیں کیا
ہوگیا ہے، خاموش کیوں ہو۔ مجھے یقین نہیں آ رہا کہ ہم واقعی دشمنوں کی قید سے نکل
آئے ہیں، خان رحمان کے منہ سے نکلا۔ انکل ! ہم نہ صرف ان کی قید سے نکل
آئے ہیں، بلکہ انہیں تہس نہس بھی کر آئیں ہیں، فرزانہ نے بلند آواز میں کہا۔ یہ
تہس نہس کا لفظ آج تک میری سمجھ میں نہیں آیا، آخر اسے نہس تہس کیوں نہیں کہہ
دیا جاتا، فاروق نے منہ بنا کر کہا۔ تمھاری سمجھ میں آج تک کوئی بات آئی ہو تو ایک

بات بھی ہے، محمود نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ اور ایک بات تو اُنکی سمجھ میں ضرور آ گئی ہوگی، فرزانہ کے لہجے میں شوخی تھی۔ اور وہ کیا ؟ محمود نے پوچھا۔ یہ کہ آج کا کارنامہ تم نے جھپٹ لیا ہے اور یہ شاید اس وجہ سے ہوا کہ تم ابّا جان کے ساتھ رہ گئے تھے، تمھارے سامنے ہی انھوں نے رابرٹ کو ٹھکانے لگایا ہوگا اور اس کا میک اپ کیا ہوگا۔ فرزانہ نے جلدی سے کہا۔ اس طرح تو یہ بات فرزانہ کی سمجھ میں آئی ہے، کیونکہ اس نے اس طرف توجہ دلائی ہے، لیکن مجھے اس سے کیا، میں تو اس دعوت کے بارے میں سوچ رہا ہوں جو انکل خان رحمان چل کر دینے والے ہیں۔ ہائیں، کیسی دعوت! خان رحمان چونکے کیا آپ اس زبردست کامیابی اور موت کے منہ سے صاف بچ کر نکل آنے کی خوشی میں دعوت نہیں دیں گے اور نکل بھی اس طرح آئے ہیں جیسے مکھن میں سے بال نکل آتا ہے، بال سے مجھے یاد آیا، یہ شیشے میں بھی آ جاتا ہے اور سنا ہے، شیشے میں آیا ہوا بال جا نہیں سکتا، یوں تو کچھ لوگ دھوپ میں بال سفید نہیں کیے بھی سنائی دیتے ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ہم بال بال بچے ہیں اور ہم میں سے کسی کو بال برابر بھی چوٹ نہیں آئی، یعنی ہمارا بال بھی بیکا نہیں ہوا، ورنہ اس غار کے متعلق سن کر تو ہمارے بال کھڑے ہو گئے تھے، اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے، اس میں گرنے کی نوبت نہیں آئی اور انکل، اب آپ جانتے ہیں فرزانہ جل بھن کر کیا کہے گی، یہی اتارنے لگے ہیں بال کی کھال، لیکن حقیقت یہ ہے کہ صحیح معنوں میں آج ہی بال کی کھال اتاری ہے۔ وہ کہتا جا رہا تھا اور سب ہنس رہے تھے، آخر میں خان رحمان تو اپنا قہقہہ کسی طرح نہ روک سکے۔